فیوضِ ربّانی

عبّاس علی شاہ رضوی

ایم-اے

طابع و ناشر :- سیّد عباس علی شاہ رضوی

پرنٹر :- سیّد عبدالحی

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

تاریخِ اشاعت :- دسمبر ۱۹۸۳ء

کتابت :- نورالدین خوشنویس - ربوہ
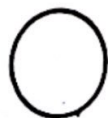
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف!

(شجرہ نسب مؤلف کتاب ہذا)

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○

اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے یقیناً اللہ بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مرد اور عورت کی صورت میں دو قسم کی استعدادیں دیکر پیدا کیا یعنی ذکر اور اُنثٰی والی۔ تاکہ وہ فطری دائرہ استعداد کے اندر رہ کر ترقی کی منازل طے کریں۔

پھر ان سے شعوب اور قبائل تعارف کے لئے بنائے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کتاب اور شریعت دے کر ایک صراطِ مستقیم قائم فرما دیا۔ اور انسانوں میں مسابقت کی رُوح پیدا کر کے فضیلت اور اعزاز کا معیار تقویٰ کو بنایا۔ جو فرد یا گروہ تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں بڑھ جائے وہی زیادہ مکرّم اور معزّز ہوگا۔ صرف مرد ہونا یا عورت ہونا یا کسی گروہ اور قبیلہ سے ہونا وجہِ افتخار نہیں۔

شعوب اور قبائل کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک حوالہ اِس طرح درج ہے:۔

"جناب حافظ روشن علی صاحب نے وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس سے یہی منشاء نہیں کہ جماعتوں اور قبائل کے نام پہچاننے کے لئے ہیں بلکہ اِس میں ایک خاص باریک معنے بھی ہیں جو یہ ہیں کہ بعض اقوام بزدل، بعض شجاع، بعض چور ڈاکو، بعض خوش معاملہ و خوش اخلاق۔ چونکہ افراد سے ہی اقوام کے کیریکٹر تیار ہوتے ہیں اسلئے چاہیئے کہ اپنی اقوام کا ایسا کیریکٹر پیش کیا جائے کہ قوم کا نام آتے ہی اچھا خیال اس کے متعلق دل میں لے آئیں۔ اور اسی کے متعلق آتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ

اَتْقٰکُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں معزز ہونے کا طریق تقویٰ ہے۔ دُنیا میں خوش اخلاق، حُسن معاملہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور تقویٰ جو اختیار کرے اُس کو اللہ کے ہاں سے اکرم ہونے کی سند مل جاتی ہے۔" (الفضل ۲۷ر فروری، ۲ر مارچ ۱۹۲۲ء صا-۲)

خدائے حکیم و علیم نے شعوب اور قبائل کو بھی تعارف کے لیئے قائم رکھا۔ تاکہ آئندہ نسلیں اپنے آباء و اجداد کی اعلیٰ روایات کو قائم رکھیں اور نیکی اور تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل افراد اور شعوب و قبائل کی تاریخ مرتب ہو کر ان کا ذکرِ خیر دوسروں کے لیئے اچھی مثال کے طور پر باقی رہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ (پارہ ۲۵ / رکوع ۹) اور ابراہیم نے اس تعلیم کو اپنی نسل میں ایک مستقل یادگار چھوڑا۔

نیز حضرت اسحٰقؑ و یعقوبؑ کے متعلق فرمایا۔ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔ یعنی ہم نے ان کو اپنی رحمت میں سے ایک وافر حصہ عطا فرمایا اور ہم نے ان کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والا اعلیٰ درجہ کا ذکرِ خیر مقرر فرمایا (سورۃ مریم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں ایک ہمیشہ قائم رہنے والی تعریف مجھے بخش (سورہ شعراء)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ایسے نیک مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے نقش قدم پر چلنے کے لئے بعد میں آنے والوں کو اُبھارا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا۔ وَمَا جَعَلَ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (سورۃ حج پارہ ۱۷ ع ۱۰) اور دین کی تعلیم میں تم پر کوئی تنگی کا پہلو اختیار نہیں کیا (اے مومنو!) اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کو اختیار کرو۔

ایک جگہ حج کے ذکر پر فرمایا۔ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (سورۃ البقرہ پارہ دوم ع ۹) پھر جب تم اپنی عبادتیں پوری کر لو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ شدّت کے ساتھ (اللہ کو) یاد کرو۔

گویا اپنے باپ دادا کی یاد بھی انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جسے اسلام جو ایک دینِ فطرت ہے اس کو ضائع نہیں کرتا۔ ہاں اندھا دھند باپ دادا کی تقلید سے منع کرتا ہے اور از راہِ بصیرت ان کی نیک باتوں کی پیروی کی تقلید کرتا ہے۔ اور ان کے نیک نمونہ کو قائم رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا۔ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ

نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ○ (الفرقان ع ۴) وہ خدا ہی ہے جس نے پانی سے انسان بنایا۔ پس اس کو کبھی تو نسب بنایا ہے (یعنی شجرۂ آباء) اور کبھی صِھر بنایا (یعنی شجرۂ سسرال) اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے نسب اور صِھر دونوں سلسلوں کا ذکر فرمایا اور شجرۂ آباء کے اعلیٰ ہونے کے ساتھ شجرۂ صِھر کو بھی مدِّ نظر رکھا۔ قرآن کریم میں اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کا جنّتیوں کے لیئے کثرت سے ذکر آتا ہے۔ کیونکہ اس پر آئندہ نسلوں کی ترقی کا مدار ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ جنّتی ماؤں کی اولاد بھی اُن کی اچھی تربیت کی وجہ سے جنّتی ہوگی۔ اور بچپن سے ہی نیک عادتیں اُن میں راسخ ہوں گی۔ ذرّیۃ البغایا ہی انبیاء اور مرسلین سے بغاوت کرتی اور اُن کے درپئے آزار ہوتی ہے۔ دُنیا کے مدبّرین بھی اپنے تجربہ کی بناء پر یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ فرانس کے صدر نپولین کا قول ہے "تم مجھے اچھی مائیں دے دو میں تمہیں اچھی قوم دے دوں گا" قرآن کریم نے بڑی کثرت اور تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ سورۃ البقرہ ع ۳ میں جنّتیوں کے متعلق فرمایا۔ وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اُن کے لیئے ان باغوں میں پاک جوڑے ہوں گے۔

سورۃ الرحمٰن ع ۳ میں اُن کی تعریف اس طرح فرمائی۔ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ○ ان جنّتوں میں نیچی نگاہوں

والی عورتیں ہوں گی۔ جن سے جنتیوں سے پہلے انسانوں نے تعلق رکھا ہوگا نہ جنوں نے۔ پھر فرمایا۔ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝ ان باغوں میں نیک اور خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ وہ عورتیں کالی آنکھوں والی ہوں گی اور خیموں کے اندر رکھی گئی ہوں گی۔

سورۃ واقعہ پارہ ۲۷ ع میں ہے۔ وَحُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ اور کالی پتلیوں والی بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ جو محفوظ موتیوں کی طرح ہوں گی۔ (جو اپنے قیمتی ہونے کی وجہ سے چھپا کر رکھے جاتے ہیں) اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کی ایسی ہی صفات بیان فرمائی ہیں۔ اُن کی نیکی اور پاکبازی کی تعریف فرمائی ہے۔ اور مومنوں کو شادی کرتے وقت انہیں باتوں کو مدنظر رکھنے کی تاکید فرماتا ہے۔ چنانچہ سورہ نساء ع میں فرمایا۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ۔ اور جو کوئی تم میں سے آزاد مومن عورتوں سے شادی کرنے کی بالکل طاقت نہ رکھتا ہو (وہ) تمہاری مملوکہ عورتوں یعنی تمہاری مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کرلے۔

پھر آخر میں لونڈیوں کے ساتھ اجازت کے متعلق فرمایا۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ

رَّحِيْمٌ ٥ یعنی یہ اجازت اُس کے لیئے ہے جو تم میں سے گناہ سے ڈرتا ہو۔ اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لیئے بہتر ہے ۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا :۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥

اللہ چاہتا ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں اُن کے طریقے تمہارے لیئے بیان کرے اور اُن کی طرف تمہاری راہنمائی کرے ۔ اور تم پر شفقت کرے اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے ۔

قرآن کریم نے ہمیں یہ دُعا بھی سکھائی ہے :۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ (احقاف ع ۲)

یعنی اے میرے ربّ! مجھے اِس بات کی توفیق دے کہ مَیں تیری اِس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ

پر کی ہے۔ اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے اچھے اعمال
کروں جن کو تُو پسند کرے۔ اور میری اولاد میں بھی نیکی کی بُنیاد
قائم کر۔ میں تیری طرف جُھکتا ہوں اور میں تیرے فرمانبردار
بندوں میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کا جو ہم پر ہوئی شکر اس طرح ادا ہوتا ہے کہ ہم
اس سے عبد بنیں اور وہ عمل کریں جن سے وہ راضی ہو۔ باپ دادوں
پر جو نعمتیں نازل ہوئیں ان کا شکر اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اُن کے نیک
اعمال کے تسلسل کو ہم جاری رکھیں۔

اس جگہ بطور تبرّک اگر میں حضرت المصلح الموعود میرزا بشیر الدین محمود
خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے ایک خطاب کا
اقتباس پیش کر دوں تو بے جا نہ ہوگا۔ جو آپ نے ۷ر نومبر ۱۹۵۳ء کو جامعہ
نصرت کالج برائے خواتین ربوہ کے جلسہ تقسیم انعامات کے موقعہ پر فرمایا
(وھو ھٰذا) آپ نے فرمایا:-

" اسلام کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا
ہے کہ اسلام نے اس امر پر خصوصیّت سے زور دیا ہے کہ
جو اچھی بات ہے وہ لے لو اور جو بُری بات ہے اُسے
چھوڑ دو۔ یعنی ہر ایسی بات جو تمہارے سامنے آئے اُسے

محض اِس تعصّب کی وجہ سے کہ وہ چیز تمہاری نہیں کسی اور کی ہے اُسے بالکل نہ چھوڑ دیا کرو بلکہ تم یہ دیکھا کرو کہ اس کا کونسا حصّہ اچھا ہے اور کونسا بُرا ہے۔ پھر اچھے حصّے کو لے لیا کرو اور بُرے حصّے کو چھوڑ دیا کرو۔

اِس قسم کی تقریبات یا تو مسلمانوں نے جاری ہی نہیں کیں اور یا اگر جاری کی ہیں تو محض دوسرے لوگوں کی نقل کرتے ہوئے جاری کی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے (اور وہ زمانہ چھوٹا نہیں بلکہ صدیوں کا ہے) کہ انہوں نے اپنے ماضی کے واقعات کو یاد نہ رکھا۔ اُنہوں نے یہ یاد نہ رکھا کہ وہ کن باپ دادا کی اولاد ہیں۔ اور پھر اُن باپ دادوں کے کیا اطوار تھے۔ وہ بالکل وحشیوں کی طرح اور جانوروں کی طرح ہو گئے۔ جو اپنے آپ کو کسی ماضی کے ساتھ وابستہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ دیکھ لو جانوروں کا کوئی ماضی نہیں ہوتا۔ اُنہیں پتہ نہیں ہوتا کہ اُن کا باپ کون تھا، اُن کا دادا کون تھا، اُن کا پڑدادا کون تھا لیکن انسان اپنے باپ دادوں کا نام یاد رکھتا ہے۔ مگر مسلمانوں پر ایک

ایسا زمانہ آیا جب وہ اپنے ماضی کو بھول چکے تھے اور
وہ جانوروں کی طرح ہو گئے۔ جو اپنے آپ کو کسی ماضی کے
ساتھ وابستہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور یا
پھر وہ غیر لوگوں کے نقّال ہو گئے اور اُنھوں نے اپنے
ماضی کی تاریخ کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اُنہیں جو کچھ حصہ ماضی
کی تاریخ کا ملتا تھا اُنھوں نے اُسے بھی نظر انداز کر دیا۔
اور سمجھ لیا کہ ہمیں اپنی سابقہ روایات پر عمل کرنے کی ضرورت
نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں انتشار پیدا ہو گیا۔ جیسے دریا میں
بہت کشتیوں کو آپس میں رسّوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا
ہے تو اُس پر بچّے بھی چلتے ہیں، جوان بھی چلتے ہیں، مرد بھی
چلتے ہیں، عورتیں بھی چلتی ہیں۔ گائے، بیل، اونٹ، گھوڑے
اور بکریاں بھی چلتی ہیں لیکن جب کسی جگہ کشتیوں کے رسّے
ٹوٹ جاتے ہیں، اُن کے بندھن کھُل جاتے ہیں تو پھر کوئی کشتی
کسی طرف چلی جاتی ہے اور کوئی کسی طرف۔ ایسی کشتیوں سے
کوئی ملک یا کوئی قوم فائدہ نہیں اُٹھا سکتی کیونکہ بندھن
ٹوٹ جانے کے بعد کشتیوں میں فاصلہ ہو جاتا ہے اور ہر ایک
کی جہت بدل جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ جو قومیں

اپنی روایات کو قائم رکھتی ہیں اور اپنے ماضی کو بھلا نہیں
دیتیں۔ ان کی مثال کشتیوں کی سی ہوتی ہے جنہیں درمیان
سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اور وہ دریا پر ایک پُل بنا دیتی ہیں
اس طرح لوگ ان سے بہت کچھ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ اور
جو قومیں اپنے ماضی کو بھول جاتی ہیں اور اپنی سابقہ روایات
کو ترک کر دیتی ہیں اُن کی مثال اُن کشتیوں کی سی ہوتی ہے جن
کے درمیان کوئی بندھن نہیں ہوتا اور نہ اُن پر ملّاح سوار
ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ پانی کی رَو کے ساتھ بہتی چلی جاتی ہیں۔
ایسی کشتیوں سے کوئی انسان، کوئی قوم اور کوئی ملک فائدہ
نہیں اُٹھا سکتا۔

پس سابقہ روایات یا باپ دادوں کی حکایات
اور اُن کے طور طریق راہ نمائی کے لیئے نہایت ضروری ہیں۔
لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں نے اسے نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے
اگر آج ہم اپنے باپ دادوں کا طور و طریق اور اُن کی
روایات معلوم کرنا چاہیں تو ہمارے لیئے مشکل پیش آ جاتی
ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ سے نیچے اُتر کر ہم اپنے باپ
دادوں کے حالات کو نہیں جانتے حالانکہ ملک کے مختلف

حالات جو کسی متمدّن قوم پر گزرتے ہیں وہ مسلمانوں کے درمیانی عرصہ میں گزرے۔ صحابہؓ چند غریب اور سادہ طبع لوگ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لے آئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسلام کو پھیلاتے رہے۔ صحابہؓ کے وقت نہ تو متمدّن حکومتیں تھیں۔ نہ اُن کے وقت میں دفاتر تھے جن کی متمدّن حکومتوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ نہ اُنکے زمانہ میں سڑکیں بنائی گئیں۔ نہ نہریں کھودی گئیں۔ نہ پُل بنائے گئے۔ اس کے لیے اُنہیں فرصت ہی نہ تھی۔ بنوامیّہ کے زمانے میں مسلمانوں کو اس قسم کے کاموں کی فرصت ملی اور انہوں نے بہت سا کام بھی کیا لیکن افسوس کہ اُس زمانہ کے تمدّنی حالات محفوظ نہیں۔ جس کی وجہ سے ہم اپنے شاندار ماضی سے کٹ گئے ہیں لیکن پھر بھی جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسے قائم رکھیں اور اُس کے ساتھ رشتہ اور تعلق قائم کریں۔ تاکہ ہماری مثال ایک پُل کی سی ہو جائے نہ کہ اُن کشتیوں کی سی جو کسی رسّہ سے بندھی ہوئی نہ ہوں اور پانی کی رَو کے ساتھ ساتھ بہتی چلی جا رہی ہوں۔ کیونکہ اُن کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔

غرض روایات ایک جتھا بنا دیتی ہیں۔ اِس لئے روایتوں کا محفوظ رکھنا قوم کی ترقی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اِسی لئے یورپ میں سکولوں اور کالجوں نے اپنے اپنے ماٹو مقرر کئے ہوئے ہیں اور طلباء اور پروفیسروں کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اِس قسم کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کریں اور پھر انہیں دوسروں کے اندر بھی جاری کرنے کی کوشش کریں۔.....

.....مَیں نے جو کچھ بتایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ **تم اپنی پچھلی ٹریڈیشنز کو قائم کرو اور دوسری قوموں کی نقل کم کرو۔**" (از تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم ص۲۶)

اِسی طرح حضور نے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۲ء کو جلسہ سالانہ کی تقریر میں فرمایا:۔

"یہ مت سمجھو کہ باپ کے خواص بیٹے میں منتقل نہیں ہو سکتے کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ اچھے حساب دان ہوں اُن کی اولاد میں عام طور پر اچھے حساب دان پیدا ہوتے ہیں۔ اِسی طرح جو شخص جس فن کا ماہر ہو وہ بالعموم ورثہ کے طور پر اُس کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے بعض خاندان اور بعض اقوام خاص خاص علوم اور خاص خاص فنون میں ماہر سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً اٹلی میں اچھے مصوّر اور اچھا باجا بجانے

والے پائے جاتے ہیں کشمیری کھانا پکانے کا فن اور خوشخطی کا فن خوب جانتے ہیں۔ یہی حال بعض اور قوموں کا ہے۔ یہ چیز نسلی طور پر بھی ترقی کرتی ہے۔ چنانچہ جو شخص بہادر ہو اُس کا بیٹیا بالعموم بہادر ہی ہوتا ہے۔ پنجابی میں اِسے تخم تاثیر کہتے ہیں۔ اور سائنس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق کے ذرّات خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں جس قسم کے اخلاق کسی انسان میں پائے جاتے ہیں اُسی قسم کے ذرّے اُس کی نسل میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ذرّات کبھی دوسری پُشت میں، کبھی چوتھی پُشت میں اور کبھی آٹھویں یا دسویں پُشت میں ظاہر ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ذرّات اُس کے کسی پردادا بلکہ نکڑدادا میں پائے جاتے تھے۔ پنجابیوں نے اِسی سے تخمِ تاثیر کا اصل نکالا ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحبت کا اثر بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ نسلاً بعد نسلٍ بعض اخلاق و صفات منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔" (نظامِ نو ص۲۵۔ تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۲ء حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

مؤلّفِ کتاب ہٰذا کے مورثِ اعلیٰ عمدۃ العلماء حضرت میراں شاہ ابدال

جو چھٹی یا ساتویں صدی ہجری کے قریب مشہد ایران سے اس ملک میں تشریف لائے۔ اُن کا مزار گڑھی سیّداں، بڈانی تحصیل گشمور ضلع جیکب آباد سندھ میں ہے۔ اُن کا شجرۂ نسب درج ذیل ہے:-

۱- عمدۃ العلماء حضرت میراں شاہ ابدال حسینی مشہدی۔
۲- ابن اہل المعرفت سیّد عبداللہ شاہ۔
۳- ” اہل التقویٰ سیّد عبدالرؤف شاہ۔
۴- ” ہادی البحر والبر سیّد عبدالہادی شاہ۔
۵- ” شیخ المشائخ سیّد مراد شاہ۔
۶- ” زبدۃ السادات سیّد محمد صالح شاہ۔
۷- ” صاحب الشریعت والمعرفت سیّد عثمان شاہ
۸- ” عمدۃ السادات نور الدین شاہ
۹- ” قدوۃ العرب والعجم سیّد عبدالرحیم شاہ
۱۰- ” استاد الفضلاء سیّد عبدالعزیز شاہ
۱۱- ” احیائے مراسم الدین والیقین سیّد عبدالعزیز شاہ
۱۲- ” صاحب سلطنت والمملکت سیّد علاؤ الدین شاہ
۱۳- ” سلالۃ العظام والاکرام سیّد عبدالفتح شاہ
۱۴- ” مفخر السادات سیّد محمد صادق شاہ

۱۵- ابن مغفرت نشان سید عبد الکریم شاہ۔

۱۶- " عمدۃ الصلحاء ابو الخیر و الحرب سیّد رضا علی شاہ۔

۱۷- " کہف السلام ابو المعالی سیّد عبد اللہ شاہ۔

۱۸- " افصح الکلام سیّد حسام الدین شاہ۔

۱۹- " عنصر اللطیف ابو المفاخر سیّد ابو القاسم شاہ۔

۲۰- " محسن الافعال سیّد سید الحسن شاہ۔

۲۱- " شرف الدین و الدنیا ابو الغنائم سید علی شاہ۔

۲۲- " سیّد السادات سیّد محمد شاہ

۲۳- " اہل الطٰہٰ و الیٰسین سیّد ابو الحسن علی شاہ

۲۴- " حضرت امیر المومنین امام المسلمین امام علی موسیٰ رضا علیہ السّلام

نوٹ:۔ ہمارے شجرہ کے کاغذات میں جو فارسی زبان میں ہیں، ان بزرگوں کے ناموں کے ساتھ یہی القاب درج ہیں۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ حضرت امام علی موسیٰ رضاؑ کو عباسی خلیفہ مامون رشید نے اپنا ولیعہد نامزد کیا تھا اس لیئے حکومت کی طرف سے اُن کی اولاد کو یہ لقب دیئے جاتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

عمدۃ العلماء حضرت میراں شاہ ابدال کا مادری شجرۂ نسب جن کا نام بی بی حاج ہے درج ذیل ہے:۔

مزار حضرت میراں شاہ ابدال رضوی مشہدی
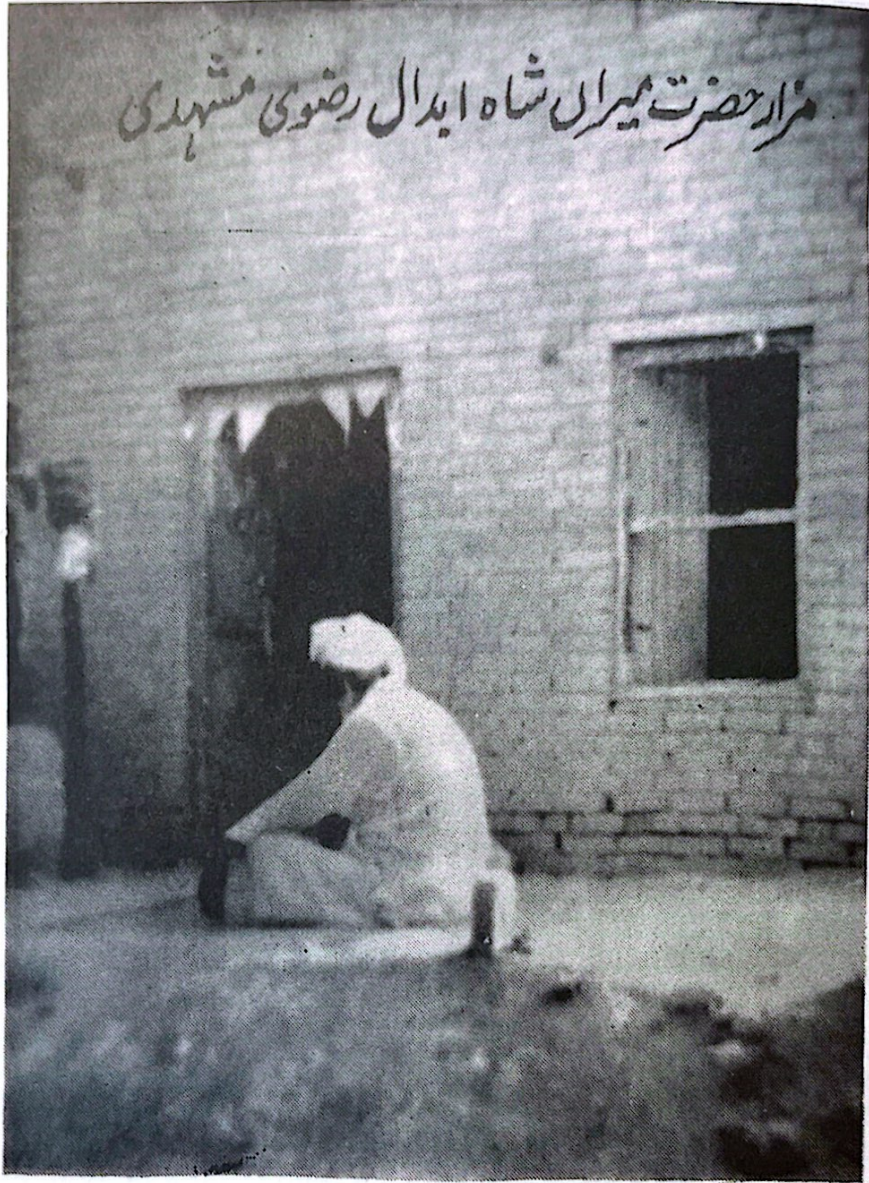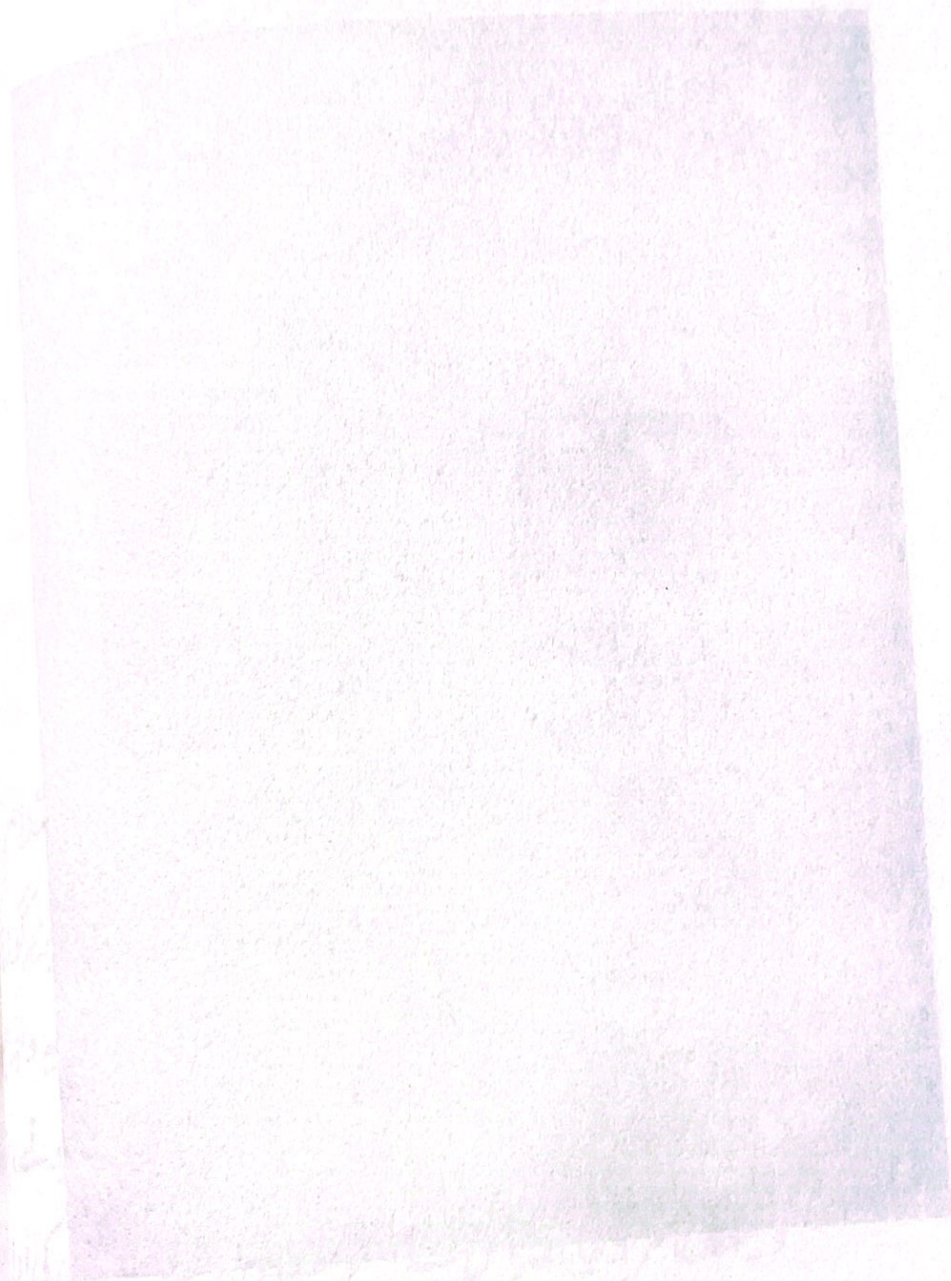
۱- بی بی حاج بنت سیّد نور شاہ ساکن بغداد۔

۲- ابن سیّد کبیر شاہ۔

۳- " سیّد حیدر شاہ۔

۴- " سیّد اسماعیل شاہ۔

۵- " سیّد سراج الدین شاہ۔

۶- " سیّد شفیع الدین شاہ۔

۷- " سیّد عنایت شاہ۔

۸- " سیّد محمد غوث۔

۹- " سیّد جیون شاہ۔

۱۰- " سیّد محمد شاہ۔

۱۱- " سیّد ابراہیم شاہ۔

۱۲- " صدر شاہ۔

۱۳- " سیّد ولی الدین شاہ۔

۱۴ " سیّد عبد الخالق۔

۱۵- " سیّد صدر الدین۔

۱۶- " سیّد حاجی شاہ۔

۱۷- " سیّد عیسیٰ شاہ۔

۱۸- ابن سیّد عبدالوہاب شاہ -

۱۹- 〃 سیّد عبدالواحد شاہ -

۲۰- 〃 سیّد اسحٰق ثانی -

۲۱- 〃 سیّد موسیٰ ابوالحسن -

۲۲- 〃 سیّد محمد عالم -

۲۳- 〃 سیّد قاسم عبداللہ -

۲۴- 〃 سیّد محمد اوّل -

۲۵- 〃 سیّد اسحٰق عبداللہ

۲۶- 〃 سیّد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

(شجرۂ نسب مؤلفِ کتاب ہذا ۔ عباس علی شاہ رضوی)
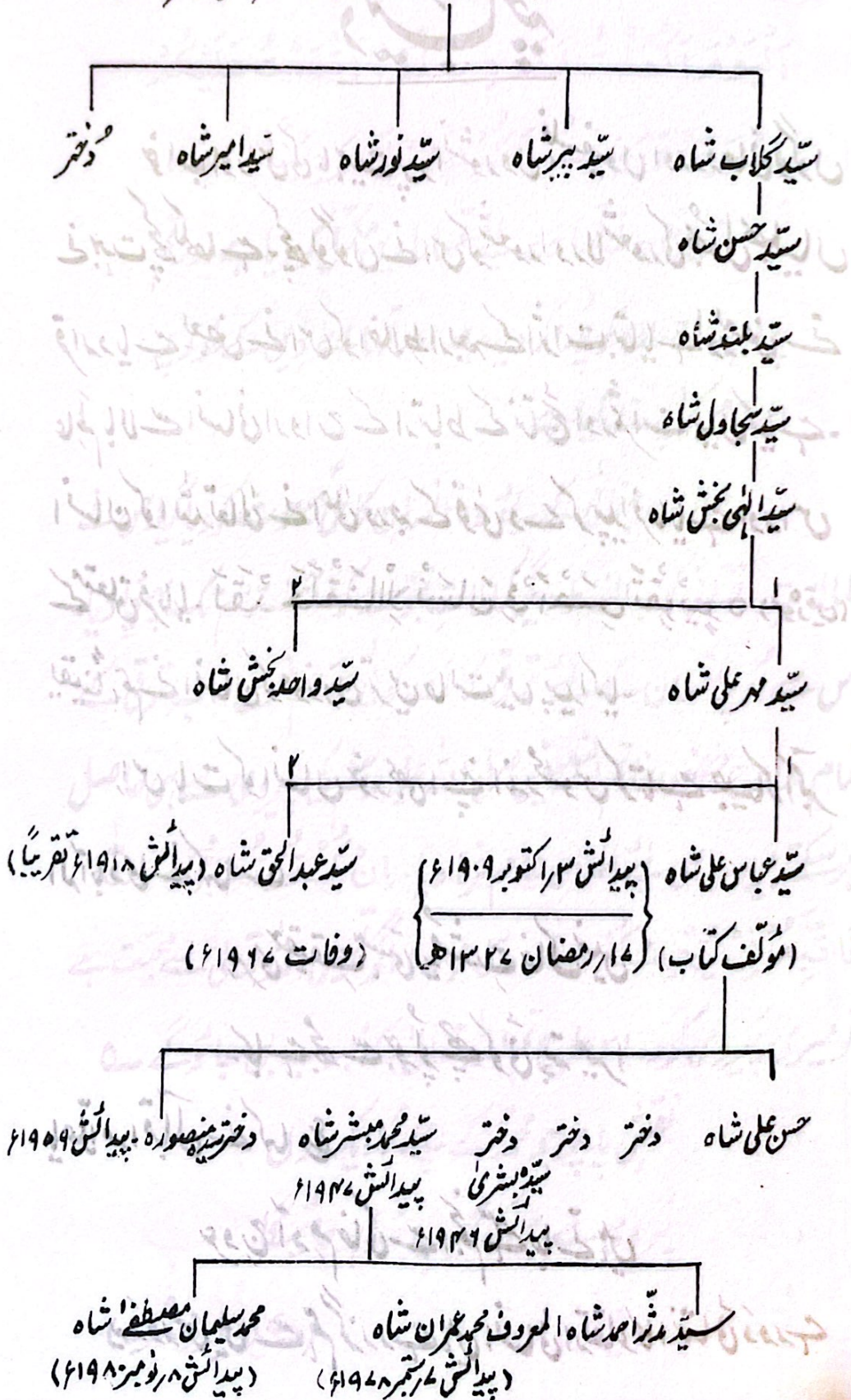
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

خواب اور اس کی ماہیت پر دانشوروں، فلسفیوں اور روحانی لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کو شعور اور لاشعور کی بھول بھلیاں قرار دیا ہے۔ بعض نے اس کو اخلاطِ اربعہ کے اثرات بتایا ہے اور بعض نے عالَم بالا سے انسانی ارواح کے ارتباط کے نتائج اور ثمرات بیان کیا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کے قویٰ دے کر پیدا فرمایا ہے اور اس کے متعلق فرمایا۔ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝ (سورۃ تین)

یقیناً ہم نے انسان کو موزون ترین حالت میں پیدا کیا۔

اس بات کو انسان خود بھی اپنے اندر محسوس کرتا ہے جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا ؎

مری حقیقتِ ہستی یہ مُشتِ خاک نہیں

بجا ہے مجھ سے جو پُوچھے کوئی پتہ میرا

یا علامہ اقبال نے کہا ع

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

یہ دَور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں انسانی ارتقاء کا انتہائی دَور ہے

س میں ہمارے لیے وہ کامل اور مکمّل کتاب نازل ہوئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمّل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

ہماری رہنمائی کے لیے وہ انسانِ کامل مبعوث کر دیا گیا جس نے کمالاتِ انسانی کو بہ الفاظِ دیگر کمالاتِ نبوّت کو اختتام تک پہنچا دیا۔ اس سے اوپر انسان کے لیے ترقی کا اور کوئی مقام نہیں۔ اب ترقی کے تمام مدارج حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے اعلانِ عام فرما دیا۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران) اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبّت ہے تو میری پیروی کرو۔ اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے ؎

نقشِ پا پر جو محمدؐ کے چلے گا ایک دن
پیروی سے اس کی محبوبِ خدا ہو جائیگا

(کلامِ محمود)

اسی لئے اس اُمت کو خیر اُمت قرار دیا گیا۔ کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رہنمائی میں حضورؐ کی پیروی سے انسان اعلیٰ ترین کمال حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مطہرؐ پر نازل ہوا۔ جیسا کہ فرمایا

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝

(سورۃ الشعراء ع ۱۱/۱۵)

اور یقیناً یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اس کو لے کر ایک امانتدار فرشتہ (جبرئیلؑ) تیرے قلب پر اُترا ہے تاکہ تُو لوگوں کو ڈرانے والا ہو۔

قلب یا دل انسان کے سینہ میں ایک عجیب چیز ہے۔ اس کے متعلق ایک طبیب صاحب رقمطراز ہیں کہ:-

"بظاہر تو قلب ایک مخروطی شکل کا جوف دار عضلاتی عضو ہے جو خون کے انجذاب و اندفاع کے فرائض انجام دیتا ہے۔ سارے جسم میں خون کی گردش کو قائم رکھنا اسکا مخصوص وظیفۂ عمل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ایک مرکزِ عجائبات و

طلسمات بھی ہے ۔ خداوندِ قدوس کی صفاتِ غالبیہ کا مرکزِ خاص اور مادی حیات و زندگی کا حقیقی سرچشمہ بھی یہی عضو ہے ۔ قلب کی مسلسل اور متواتر حرکت، حرکتِ ذاتی ہے یعنی اس کی حرکت کسی دوسرے عضو کی حرکت کی تابع نہیں ۔ بلکہ یہ خود بخود متحرک ہے ۔ جسم کے تمام دوسرے اعضاء اپنے افعال میں یا یوں کہیئے کہ خود اپنے قیام و بقاء میں قلب ہی کی حرکت کے محتاج ہیں لیکن قلب کسی دوسرے عضو کا محتاج نہیں کسی عضو کا طفیلی نہیں ۔

رحمِ مادر میں استقرارِ حمل کے بعد جب قدرت کے مخفی ذرائع جنین کی تشکیل میں مصروف ہوتے ہیں تو نظامِ عصبی کی پیدائش سے پہلے نقطۂ قلب پیدا ہو کر خود بخود حرکت کرنے لگتا ہے ۔ قلب کی اسی بالذات حرکت سے جنین کی حیوانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ زندگی قلب ہی کے جینے کا دوسرا نام ہے ۔ قلب کے متحرک بالذات ہونے پر ایک اہم دلیل یہ ہے کہ اگر کسی انسان کے جسم سے قلب کو نکال لیا جائے تو کالبدِ خاکی سے علیحدہ ہونے کے باوجود یہ خود بخود سکڑتا پھیلتا رہتا ہے ۔ سالم دل تو درکنار اگر اس کے ٹکڑے بھی کسی محلول میں

جو اس کے طبعی مزاج کے مطابق ہو رکھ دیئے جائیں اور
ان کو مناسب غذا پہنچائی جائے تو یہ ٹکڑے بھی گھنٹوں تک
خود بخود حرکت کرتے رہتے ہیں۔

قلب کا متحرک بالذات ہونا ہی کسی دوسری دُنیا
سے اس کے مخفی اتّصال و تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہی داخلی
تعلق ہے جسے ہم رُوح یا رُوحانی دُنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔
قلب انسانی ڈھانچے میں مقیّد و محبوس ہونے کے باوجود
مادی علائق سے بے نیاز ہے اور بیرونی دُنیا سے اپنا تعلق
برابر قائم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب حیاتِ طبعی اور حیاتِ
شعوری دونوں کا مرکز اور مقام اتّصال ہے۔ قلب حواس و
الفاظ کی قیود سے آزاد ہے اور وجدان و فیضان الٰہی کا
مرکز و مسکن ہے۔ قلب کی اس معجزاتی یا طلسماتی کیفیت کو سامنے
رکھنے کے بعد اب اس کی مادی ساخت پر غور فرمائیں۔"

(حکیم رشید اشرف صاحب ندوی۔ بحوالہ اخبار مشرق)

(۲) حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"انسان میں حقیقی چیز اس کا دل ہے۔ جب دل کی اصلاح ہو جائے
تو جسم کی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ اس موت سے قطع نظر جو

انسان کو قبر میں لے جاتی ہے۔ دل بھی حیات و ممات سے خالی نہیں ہے۔ جب دل رنگ رلیاں منانے اور خورد و نوش سے لذّت یابی کا عادی ہو جائے تو اپنی ہستی کو بھلا بیٹھتا ہے یہ خیالاتِ فاسد کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور ہر نوع کا خوف اس کے خانۂ دل کو تیرہ و تاریک بنا دیتا ہے۔ اور دل کا سیاہ ہونا گویا اُس کی موت ہے۔"

(بحوالہ اخبار امروز لاہور۔ ۲۱ فروری ۱۹۷۷ء)

(۳) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" فارسی میں جس کا ترجمہ "اکسیرِ ہدایت" نام سے شائع ہوا ہے تحریر فرماتے ہیں :-

"دل کے عجیب عجیب عالموں کی کوئی انتہا نہیں۔ اور اس کی بزرگی اسی لئے ہے کہ وہ سب چیزوں سے عجیب ہے۔ اور بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے۔ اور اس کا شرف دو وجہ سے ہے۔ ایک علم کی وجہ سے، دوسرے قدرت کی وجہ سے اور اس کی علمی بزرگی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ ہے جسے تمام لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ اور دوسری نہایت پوشیدہ ہے اور ہر ایک اسے نہیں جانتا۔ اور وہ نہایت عزیز ہے۔ اور وہ جو ظاہری بزرگی ہے۔ وہ تمام علوم اور صنعتوں کے جاننے کی قوّت

ہے۔ تاکہ تمام صنعتوں کو جانے اور جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے
پڑھے اور سمجھے۔ جیسے علم ہندسہ، حساب، طبّ، نجوم و
علم شریعت۔ اور باوجود اس کے دل ایک ایسی چیز ہے
جو ٹکڑے نہیں ہوتی اور تمام علوم اس میں سما جاتے ہیں۔
جیسے قطرہ دریا میں۔ اور ایک لمحہ میں اس کی فکر اور حرکت
زمین سے آسمان اور مشرق سے مغرب تک جاتی ہے اور
باوجودیکہ وہ عالم خاک (زمین) پر ہے۔ لیکن تمام آسمان
کی پیمائش کرتا ہے اور ہر ستارہ کی مقدار پہچانتا ہے۔
اور حساب لگا کر بتاتا ہے کہ یہ کتنے گز کے فاصلہ پر ہے۔
اور مچھلی کو دریا کی تہ سے اور پرندوں کو ہوا سے طرح طرح
کی تدبیروں سے زمین پر لے آتا ہے۔ اور طاقتور حیوانوں
کو مثلاً اونٹ، ہاتھی، گھوڑا وغیرہ کو اپنا مسخر کر لیتا ہے۔
اور جو کچھ جہان میں عجیب عجیب علم ہیں۔ سب اس کا پیشہ ہیں
اور ان تمام علوم کو حواس خمسہ کے ذریعے حاصل ہے۔ اور
اس سے ظاہر ہے کہ ان سب حواس کو دل کی طرف راہ ہے
اور تعجّب کی بات یہ ہے کہ جس طرح عالم محسوسات یعنی جس
طرح عالم جسمانی کے لیے حواس خمسہ دل کے پانچ دروازے

ہیں۔ اِسی طرح عالَم ملکوت یعنی عالَم رُوحانی کی طرف بھی
دل میں ایک دروازہ ہے۔ اور بہت سے لوگ عالَم
جسمانی ہی کو محسوس کرتے ہیں۔ اور علم حاصل کرنے کا ذریعہ
صرف حواسِ خمسہ ہی کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود مختصر اور
بے اصل ہیں۔ دل کے لیئے اَور بہت سے دروازے ہیں۔
جو علوم کی طرف کُھلے ہوئے ہیں اور اس کے لیئے دو دلائل
ہیں۔

ایک خواب۔ جس میں تمام حواسِ ظاہری بند ہو جاتے
ہیں اور دل کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور عالَم ملکوت
(یعنی عالَم ارواح) اور لوحِ محفوظ میں غیب کی چیزیں
دیکھتا ہے۔ اور جو آئندہ ہونے والا ہے اس کو نظر آجاتا
ہے یا صاف طریق پر یا مثال کے طور پر۔ جس کے لیئے
تعبیر کی حاجت پڑتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو بیدار رہتا
ہے آدمی اُسے معرفت کے جاننے میں بہتر جانتے ہیں حالانکہ
دیکھتے ہیں کہ بیداری میں حواس کے ذریعے سے غیب کی چیزیں
نظر نہیں آتیں بلکہ خواب میں نظر آتی ہیں۔ خواب کی حقیقت
کی شرح اس کتاب میں بیان کرنا ناممکن ہے لیکن اسقدر

سمجھ لینا چاہیئے کہ دل کی مثال ایک آئینہ کی مانند ہے
اور لوحِ محفوظ بھی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تمام موجودات
کی تصاویر والے آئینہ کے سامنے رکھیں تو تمام تصاویر
اُس صاف آئینہ میں نظر آتی ہیں۔ اس طرح جب دل کا
آئینہ صاف اور تمام محسوسات سے مبرّا اور معرّا ہوتا
ہے تو وہ لوحِ محفوظ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اور پھر
لوحِ محفوظ کی تمام تصاویر دل کے آئینہ سے نظر آنے لگتی
ہیں لیکن جب تک عالمِ محسوسات (یعنی عالمِ جسمانی)
کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ اور چونکہ خواب میں عالمِ محسوسات
یعنی عالمِ جسمانی سے فارغ ہوتا ہے اس لئے عالمِ ملکوت یعنی
عالمِ روحانی کو ملاحظہ کرتا ہے۔ اگرچہ خواب میں حواس
الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن خیال اپنی جگہ پر رہتا ہے اس لئے
وہ جو کچھ دیکھتا ہے مثالِ خیالی کے لباس میں دیکھتا ہے۔
اور وہ پردہ اور پوشش سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیئے
صاف صاف حال نہیں کھلتا۔ لیکن جب آدمی مر جاتا
ہے نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس۔ اُس وقت جو کچھ ہوتا
ہے وہ بے پردہ، بے خیال، صاف صاف عیاں ہوتا ہے۔

پھر اُس وقت اُسے کہا جاتا ہے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ (سورة ق ۔ پارہ ۲۶ ع ۱۶) سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا اور آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔

اور وہ جواب دیتا ہے۔ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ (سورة السجدہ ع ۱) یعنی اے ہمارے رب! اب ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے ہیں ہم کو پھر بھیج دے ہم نیک کام کیا کریں گے۔ ہم کو پورا یقین آگیا ہے"۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کو فراستیں اور نیک امور الہام کے طور پر دل میں نہ آتے ہوں۔ اور وہ حواس کے ذریعے نہیں آتے۔ بلکہ دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام علوم محسوسات یعنی عالم جسمانی سے نہیں ہیں۔ اور اس سے سمجھ لے کہ دل اس عالم سے نہیں ہے بلکہ عالمِ ملکوت یعنی عالمِ روحانی سے ہے۔ اور جو اس عالم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں بیشک

وہ عالمِ رُوحانی کے لیئے حجاب ہیں۔ اور جب تک اس عالمِ جسمانی کے مطالعہ سے فارغ نہ ہوگا عالمِ رُوحانی کی طرف وہ راہ نہ پائے گا۔

فصل

یہ خیال نہ کر کہ دل کا دروازہ عالمِ ملکوت یعنی عالمِ رُوحانی کی جانب بغیر موت اور خواب کے نہیں کھُلتا۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ بیداری میں اگر کوئی ریاضت کرے اور دل کو غضب اور شہوت اور اخلاقِ بد سے پاک کرے اور تنہائی میں بیٹھے۔ آنکھ بند کرلے اور حواس کو معطّل کر دے اور دل کو عالمِ رُوحانی کی طرف لگائے اور ہمیشہ اللہ اللہ دل سے کہے نہ زبان سے۔ اور یہاں تک کہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جائے۔ اور جب ایسا ہو جائے۔ اگرچہ بیداری ہو لیکن اس کے دل کا دروازہ کھُل جاتا ہے اور جو کچھ دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں وہ بیداری میں دیکھتا ہے۔ اور فرشتوں کی ارواح اُس پر نیک صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ پیغمبروں کو بھی دیکھتا ہے اور اُن سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور مدد پاتا ہے۔ اور زمین و آسمان

کے ملکوت اُسے نظر آتے ہیں۔ اور جس کسی کے لئے یہ راستہ کھُل جاتا ہے وہ عجیب عجیب باتیں دیکھتا ہے۔ جو حد و دِ صفات میں نہیں آتیں۔

فصل

اے عزیز! گمان نہ کر کہ یہ باتیں خاص پیغمبروں ہی کے لئے ہیں۔ بلکہ تمام انسانوں کی فطرت اِس کی قابلیت رکھتی ہے جس طرح کوئی لوہا ایسا نہیں جو فطرتی طور پر آئینہ بننے کی خاصیّت نہ رکھتا ہو جس میں تمام جہان کی صورت نظر آئے گی مگر زنگار اُس کے جوہر کو خراب اور ناکارہ کر دیتا ہے۔ اِسی طرح ہر وہ دل جس پر دُنیا کی حرص اور گناہوں کی خواہش غالب آجاتی ہے زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اُس میں اہلیت باقی نہیں رہتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (یعنی ہر بچّہ فطرتِ صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں) اور ہر ایک انسان میں اسکی اہلیت موجود ہونے کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ تو ہر ایک رُوح نے جواب دیا۔ ہاں بیشک تُو ہمارا رب ہے۔

جس طرح کسی عقلمند سے پوچھا جائے کہ کیا دو ایک سے زائد نہیں ہیں؟ تو وہ جواب دے گا ہاں زائد ہیں۔ اگرچہ تمام عقلمندوں سے اُس نے نہ سُنا ہو اور نہ زبان سے کہا ہو لیکن سب کے دل تصدیق سے بھرے ہوئے ہونگے۔ جس طرح یہ تمام آدمیوں کی فطرت ہے اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت بھی تمام آدمیوں کی فطرت ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (اور اگر تُو اُن سے پُوچھے کہ کس نے انہیں پیدا کیا۔ تو کہیں گے بیشک اللہ تعالیٰ نے۔ اور فرمایا۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت وہی ہے جس پر اُس نے انسانی فطرت کو پیدا کیا۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (لوگوں سے کہدے میں تمہارے جیسا بشر ہوں)۔ جس پر یہ راستہ کھول دیا جائے اور تمام جہان کی اصلاح تبارک و تعالیٰ اُسے بتلائے اور

لوگوں کو اس کی طرف بُلائے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے بتلا دیا ہے اُسے **شریعت** کہتے ہیں۔ اور جس کو بتلایا گیا ہے۔ اس کو **پیغمبر** کہتے ہیں اور اُس کے حالات کو **معجزات** سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر وہ لوگوں کو دعوت نہ دے یعنی نہ بُلائے تو اُسے **ولی** کہتے ہیں اور اُس کے حالات کو **کرامات** کہتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس کسی پہ یہ حالت طاری ہو۔ وہ لوگوں کی دعوت میں مشغول ہو جائے اور انہیں ہدایت کی طرف بلائے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اسے ہدایت کرنے میں مشغول نہ کرے۔ **اس سبب سے** کہ شاید اُس وقت شریعت **تازہ** ہو۔ اور لوگوں کو ہدایت کرنے کی ضرورت نہ ہو یا **اس سبب سے** کہ دعوت و ہدایت کی شرائط ایسی ہوں جو اس ولی میں نہ پائی جاتی ہوں“۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے۔ مُہرِ محمدیؐ کے انوارِ بے پایاں سے فیضیاب ہونے والے اِس خیرِ اُمّت میں اِس کثرت سے ہوئے ہیں کہ آسمان کے ستاروں کی طرح شمار نہیں ہو سکتے۔ اور حدیثِ نبویؐ کی بشارت کے مطابق ہر صدی کے سر پہ مجدّدِ دین کا سلسلہ بھی جاری ہے اور

یہ چاند جو سراجِ منیرِ محمدیؐ سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں ہلال و قمر بنتے ہوئے ہزار سال کے بعد بدرِ کامل بن کر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اگرچہ ظاہر پرست و ظاہر بین علماء جن کے دل کینہ اور حسد و بغض کے زنگار سے صاف نہیں ہوتے نیز غضب و شہوت اور اخلاقِ بد کی وجہ سے تاریک ہوتے ہیں ایسے بزرگوں سے ہمیشہ برسرِ پرخاش رہ کر اُن کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں۔ ہر دو فریق اپنے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند

ہر ایک اپنے اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔

ہمارا یہ زمانہ اور یہ وقت جس میں ہم اپنی عمریں گزار رہے ہیں (اِس وقت ۱۳۹۶ھ بلکہ اب ۱۴۰۰ھ ہے) بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ دُنیا کی تاریکیاں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ساری دُنیا ایک شہر کی مانند ہو گئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اپنے سارے لشکر لے کر میدان میں اُتر آیا ہے۔ اور قسم قسم کے مکر و حیلہ سے دُنیا کو گمراہ کرنے پر تُلا ہُوا ہے۔ دُنیا میں جلد جلد حیرت انگیز تبدیلیاں رُونما ہو رہی ہیں۔ ایک زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ دُنیا کو ہِلا رہا ہے۔ عجیب عجیب تحریکیں پیدا ہو کر سمندر کی مہیب لہروں کی طرح

ایک دوسری سے ٹکرا رہی ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر انسان بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے کہ دُنیا کو کیا ہونے والا ہے۔ دُنیاوی طور پر انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور دوسرے اجرامِ فلکی تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہی نقشہ ہے جو قرآن کریم کی سورۃ زلزال میں کھینچا گیا ہے۔ اور آخری زمانہ کے متعلق جو باتیں احادیث میں بیان کی گئی تھیں اور قدیم نوشتوں میں درج تھیں سب ظاہر ہو رہی ہیں۔ ہر شخص کھلے طور پر ان کو دیکھتا اور غیر معمولی طور پہ حیرت انگیز تغیرات سمجھتا ہے۔ اِن دنوں امریکہ اور روس صرف دو طاقتیں تمام دُنیا پر حاوی ہیں۔ اور باقی تمام حکومتیں ان کے سامنے بے بس ہیں۔ یہ وہی دجّال اور یاجُوج ماجُوج کے لشکر ہیں جن کی خبر پہلے نوشتوں میں دی گئی تھی۔

میری نظر سے اِن دنوں مشہور انگریز مصنّف ایچ۔ جی۔ ویلز (H-G Wells) کی کتاب The work wealth and Happiness of mankind (بنی نوع انسان کا کام، دولت اور خوشحالی) گزری ہے۔ اس میں مصنّف نے ساری دُنیا میں اِس صدی یا سَو سال کے عرصہ میں حیرت انگیز اچانک تبدیلی کا اظہار کیا ہے جس سے حالات یکسر مختلف ہو گئے ہیں اور ساری دُنیا کو ایک وحدت سمجھ کر ہر قوم، ملک اور خاندان کو دوبارہ اِن حالات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور تمام خاکہ اور پروگرام از سرِ نَو مرتّب کرنے کی اہمیّت کو واضح کیا ہے۔ چنانچہ وہ

لکھتا ہے :۔

1. This book is intended to be a picture of all mankind active, working, spending, making and destroying. (*Introduction p-1*)

یعنی "یہ کتاب موجودہ وقت میں تمام بنی نوع انسان کی مصروفیات، کام کرنے، خرچ کرنے، کمانے اور ضیاع کی تصویر کشی کے خیال سے مرتّب کی گئی ہے ۔"

پھر وہ لکھتا ہے :۔

2. Such a general picture of all mankind about its business has not been attempted before. It would have been impossible before the present time, and had it been it would have been of doubtful utility. Now it has become possible and it has been attempted because it is needed. Never before has there been this need and desire to get the hang "of the world as one whole quite suddenly it has come up on us. (*Introduction p-1*)

" اس سے پہلے تمام بنی نوع انسان کے امور کی مجموعی تصویر کبھی نہیں بنائی گئی۔ موجودہ وقت سے پہلے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ اور اگر ایسا کرنا ممکن ہوتا تب بھی اس کی افادیت محلِ نظر تھی۔ اب یہ ممکن ہو گیا ہے اور اسی لیے اس کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ اب اس وقت کی ضرورت ہے۔ کم از کم اِس سے قبل کبھی دُنیا کو بطور ایک وحدت کے پیش کرنے کی ضرورت

اور خواہش محسوس نہیں کی گئی۔ یہ چیز بالکل اچانک ہم پر

آنازل ہوئی ہے۔"

مصنّف لکھتا ہے :-

3. There have been some very great changes in the circumstances of human life during the past hundred years or so. (*Introduction p-1*)

یعنی انسانی زندگی کے حالات میں گزشتہ سَو سال یا

اس کے قریب عرصہ میں بعض نہایت اہم تبدیلیاں وقوع پذیر

ہوئی ہیں۔"

پھر لکھا ہے :-

4. The new revolution in human affairs, this modern "change of scale" has happened very swiftly, and it has crept up on us one day after another so insesibly that it is only now we are begining to realize the nature of thing that has happened to us. (*Introduction p-2*)

یعنی بنی نوع انسان کے حالات میں یہ جدید انقلاب یہ

"اقدار کی تبدیلی" بہت تیزی سے رُونما ہوئی ہے۔ یہ ہمارے

اُوپر ایک دن کے بعد دوسرے دن اس طرح لاشعوری طور پر

چڑھتی چلی آئی کہ ہم ابھی ابھی اس حالت کو محسوس کر سکے

ہیں جو ہمیں پیش آ چکی ہے۔"

مصنف نے مختصر عرصہ میں دُنیا کی اِن اچانک تبدیلیوں اور ناگہانی حیرت انگیز تغیرات کو ہر شعبہ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور پھر ان سے نپٹنے کے لیئے بہت سی تجاویز مرتّب کی ہیں۔

اِس کتاب کے ۱۶ باب ہیں جن میں دُنیا میں ہر قسم اور ہر صنعت کی تبدیلیوں اور تغیّرات کا ذکر کرنے کے بعد موجودہ حالات میں محدود قومی اور علاقائی امور سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تمام دُنیا کو سامنے رکھ کر وسیع تر بنیادوں پر ساری دُنیا کے لیئے ایک ہی نظام قائم کرنے کی تجاویز پیش کی ہیں۔ دُنیا میں پُرانے طریقوں کو چھوڑنے اور نئے طریقوں کے اپنانے کے عالمی رجحان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

5. It has taken a dozen years for the full necessity for such a break away to be realized by any considerable number of people. But under the continuance of international stresses and social dis-comfort that number is growing. There is increasing desire to part from the old limited interpretations that once were serviceable and that now guide us more and more unsatisfactory, and to look at life plainly in the new more formidable aspects it now presents. *(Introduction p-3)*

"تقریباً درجن بھر سالوں کے عرصہ سے معتدبہ تعداد کے لوگوں نے اِس بات کو محسوس کیا ہے کہ پُرانے طریقوں سے علیحدگی اختیار کی جائے لیکن متواتر عالمی اثرات کے دباؤ

اور تمدنی بے چینی سے ایسے لوگوں کی تعداد میں روز افزوں

اضافہ ہو رہا ہے۔ پُرانے محدود رجحانات کے ساتھ دوبدو

ہونے کی خواہش ترقی پذیر ہے۔"

دُنیا میں اِس قسم کی عالمی تبدیلی سے فائدہ اُٹھانے کے سُنہری

موقع سے بھرپور کام لینے کے لیے مصنّف نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ

بھی ساری عالمی بنیاد پر ایک وحدت کے طور پر نظام قائم کرنے کی ہیں۔

مثلاً تاریخ کے دھارے کو علمی رنگ میں اپنے حسب منشاء موڑنے کے

متعلق وہ تجویز کرتا ہے اور اِس سلسلہ میں حالات جو رُخ اختیار کر رہے

ہیں اُن کے متعلق وہ لکھتا ہے :-

6. The first distinctive movement for a new education took the form of New History movement. History was the subject most obviously in need of revision. The new history was revolt against local, national and "period" history. It was an assertion that the history of mankind is a single whole, that we must have a just conception of human origions and the general development of human life before we can form any proper picture of the place of our own nation or city or village in the world or make any proper plan for our political conduct. (*Introduction p-4*)

"پہلی نمایاں تحریک جو نئی تعلیم کے سلسلہ میں اُبھری اُس

نے جدید تاریخ سازی کی شکل اختیار کر لی۔ تاریخ ہی وہ

مضمون تھا جس کی نظرثانی واضح طور پر ضروری تھی۔ جدید

تاریخ سازی مقامی، قومی اور وقتی تاریخ کے خلاف
بغاوت تھی۔ یہ ایک قطعی اور پُر وثوق مفروضہ تھا کہ تمام
تاریخِ انسانی ایک سالم اور مربُوط جسد کی طرح ہے۔ ہمارے
لیے اپنی قوم، شہر یا گاؤں کی کوئی مخصوص تصویر بنانے سے
پہلے یا اپنے سیاسی مفاد کے لیۓ کوئی خاص سکیم بنانے سے
قبل تمام بنی نوع انسان کی عام ترقی کے خیال کو جو انصاف
پر مبنی ہو، مدِّنظر رکھنا بہت ضروری ہے"۔

مصنّف نے اقتصادی، تمدّنی، فوجی، تنظیمی، مذہبی، امراء و
غرباء کے تعلق، عورتوں کے عالمی امور میں حصہ وغیرہ تمام امور کے متعلق حالاتِ
حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے عالمی سطح پر اصلاحات کا خاکہ تیار کیا ہے۔
ان تمام امور کی تفصیل میں جانا طوالت کا موجب ہوگا۔
آئندہ تعلیم کے سلسلہ میں مصنّف کی تجویز کے ایک حصّہ کو بطور نمونہ ذیل
میں درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ساتویں نمبر پر مصنّف نے تعلیم کا مندرجہ
ذیل عنوان قائم کیا ہے:۔

1. The Education needed for the modern progressive community.

جدید ترقی پذیر قوم کے لیۓ جس تعلیم کی ضرورت ہے ۔

2. Pre—school education in a civilized world

will be based up on a scientific knowledge of children's mind. (p-752)

"ایک مہذب دُنیا میں سکول کی تعلیم سے قبل بچّوں کی نفسیّات کے مدّنظر جدید طریقہ کار پر علم کی بنیاد رکھی جائیگی"۔

3. For the pre—school Education of the days ahead we may reasonably hope for a body of of principles simple and clear enough to be understood and applied by men and women who are not specialist. (p-757)

"آنے والے دنوں میں سکول سے قبل کی تعلیم کے لئے ہم اُمید رکھتے ہیں کہ وہ چند ایسے سیدھے اور صاف اصولوں پر مشتمل ہوگی۔ جن کو وہ تمام مرد اور عورتیں جو اِس فن کے سپیشلسٹ (خصوصی ماہر) نہ ہوں آسانی سے سمجھ کر استعمال میں لاسکیں"۔

4. To that formal education, to the schooling of the modern state, as it should be, we will now proceed. To begin this we require universal elementary teaching. That use of language which is picked up from the circle of folks immediately around a child must be made finer and fuller and extended to reading, writing and calculation. (p-757)

"جدید سٹیٹ (ریاست) کے سکولوں میں ابتدائی تعلیم کس طرح کی ہونی چاہیئے۔ اب ہم اس کا ذکر کریں گے۔ اسکی

ابتداء کے لیئے ہمیں عالمی ابتدائی طریقۂ تعلیم کی ضرورت ہوگی۔ اس کے لیئے ہمیں ایسی زبان استعمال کرنی ہوگی جو بچّوں کے اِردگرد رہنے والے لوگ عام طور پر استعمال کرتے ہوں۔ ہمیں اس کو زیادہ عمدہ اور زیادہ مکمّل بناتے ہوئے لکھنے پڑھنے اور حساب تک کے کام کے لئے موزوں بنانا ہوگا۔"

5. Moreover there is a phase somewhere between five and sixteen when children are most apt to learn foreign languages and with modern methods and means (Gramophones, the Radio lesson etc.,) it would not be any very great additional burthen on the educational machine to give every child a sound and practical knowledge of at least one of the great world languages, English, French German, Spanish, Russian, in addition to its mother congue. The possibility of one of these languages becoming of widely understood as to serve a world lingua franca is not very remote.

(*p-757-758*)

"علاوہ ازیں پانچ اور سولہ سال کی عمر کے درمیانی عرصہ میں بچّوں کے لئے ایسا موقعہ آتا ہے جب وہ غیر ملکی زبانیں سیکھنے کے لئے جدید طریقوں اور ذرائع کو اختیار کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں (جیسا کہ گراموفون، ریڈیو وغیرہ کے اسباق سے) تعلیمی نظام پر اس طرح کوئی بہت زیادہ زائد بوجھ نہیں پڑے گا۔ جبکہ ہر بچّہ کو تسلّی بخش اور عملی تعلیم کم از کم دُنیا

کی مشہور زبانوں انگلش، فرانسیسی، ہسپانوی، روسی میں سے کسی ایک کی مادری زبان کے علاوہ دی جائے گی۔ ان زبانوں میں سے جو بالعموم وسیع طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ کسی ایک کا عالمی زبان کے طور پر کام دینے کے امکان کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔"

6. For this primary stage of education large, beautiful, healthy schools are required throughout the world with a proper equipment. toys, books, apparatus, the gramophone, the demonstration Cinema.

Music and singing will play a large part in this schooling phase. The productive energy of the world is now fully able to provide all this for every child on earth. (*p-758-759*)

"اس پرائمری درجہ کی تعلیم کے لیئے کشادہ، خوبصورت، صحت بخش سکولوں کی تمام روئے زمین پر ضرورت ہوگی۔ جن میں موزوں ساز و سامان، کھلونے، کتب، اوزار، گراموفون، توضیحی سینما وغیرہ موجود ہوں۔ موسیقی اور راگ سکولوں کے اس درجہ میں وسیع اور اہم کردار ادا کریں گے۔ دُنیا کی پیداواری طاقت اس وقت تمام روئے زمین کے بچّوں کے لیئے یہ سب کچھ مہیّا کرنے کے قابل ہے۔"

7. In the happier world state to which we look forward, the struggle of various "faded" religious organizations to capture and control as many schools as possible in order to preserve all distinctive "atmosphere" the graceful legends and misleading assurances of this or that cult, will, we presume have died away. (p-760-761)

"ایک خوشحال تر عالمی ریاست جس کے ہم آئندہ وجود پذیر ہونے کے منتظر ہیں۔ اس کے راستہ میں مختلف "بوسیدہ" مذہبی تنظیموں کی اس کوشش کو کہ وہ زیادہ سے زیادہ سکولوں کو اپنے زیر اثر رکھ کر اپنی علیحدہ مخصوص فضا کو برقرار رکھیں۔ یا شاندار اور پُرفریب یقین دہانیوں کی بناء پر قائم ہونے والی ایرا غیرا تنظیموں کو ہمیں مُردہ قرار دینا ہوگا۔"

یک چشم دجالی فتنہ کی تیز نگاہی کو دیکھئے۔ اُس نے سمجھ لیا ہے کہ پوری دُنیا پختہ پھل کی طرح اس کی جھولی میں گرنے کے لیے تیار ہے۔ اور ایک اشارہ کی منتظر ہے۔ تمام دُنیا میں مذہب کی تحریکیں مُردہ ہو چکی ہیں اور اپنی تمام طاقت اور اثر کھو بیٹھی ہیں۔ ان میں مقابلہ کی سکت نہیں رہی۔ اس وقت جملہ تحریکوں کے پاس نہ کوئی ٹھوس اور نتیجہ خیز پروگرام ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط اور مربوط تنظیم۔ اس لیے ان کو مُردہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ ان پر نزع کا عالم طاری ہے۔ یہ آج نہیں تو کل اپنی موت

آپ ہی مرجائیں گی۔ اس کے مقابلہ میں مغربی طاقتیں اپنے عروج اور طاقت اور شان وشوکت اور ہر قسم کے ساز وسامان سے لیس ہیں۔ کوئی نہیں جو اُن کا مقابلہ کرسکے۔

سب سے آخر میں آنے والے دینِ اسلام کے ماننے والوں کی یہ حالت ہے کہ نہ ان کا کوئی مرکز ہے، نہ ہی وحدت اور نہ کوئی عالمی تنظیم۔ مذہبی طور پر یہ بہتّر سے زیادہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی متفقہ لیڈر نہیں۔ سب ایک دوسرے کی تکفیر میں مشغول اور منہمک ہیں۔ سیاسی طور پر بھی یہ چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ غیر مُسلم حکومتوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اخلاقی طور پر بھی پستی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ چشمِ بصیرت رکھنے والے لوگوں نے ان کی افسوسناک حالت کو دیکھ کر مرثیے لکھے۔ چنانچہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے "مسدّسِ حالی" میں مسلمانوں کی موجودہ ابتر حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں آج وہ غریب الغربا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی،

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم خدا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں

اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ اُمّت کے نگہباں

بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

دورِ حاضر کے مشہور عالم فلسفی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے بھی بہت کچھ لکھا۔ ان کے ایک دو شعر درج ذیل ہیں۔موجودہ مسلمانوں کی حالت کے متعلق لکھتے ہیں ؎

وضع میں گر ہیں نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مذہبی حالت کی ابتری کا نقشہ اِس شعر سے معلوم ہو سکتا ہے ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

ایسی تحریروں اور نظموں کو اکٹھا کیا جائے تو بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے

میں اس وقت حال میں شائع ہونے والی ایک تحریر جو اِس وقت پاکستان میں اسلامی اصلاح کا بیڑا اُٹھانے کی دعویدار جماعتِ اسلامی کے رسالہ

ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ہے ذیل میں درج کر رہا ہوں۔ وَھُوَ ھٰذا۔

"ایک انسان کا تصوّر اُس وقت کانپ اُٹھتا ہے جب وہ یہ سوچتا ہے کہ اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت اور غلامی کا دم بھرنے کے باوجود اُن کی اُس مقدس امانت کا جو اُنہوں نے اپنی ارفع و اعلیٰ تعلیمات اور پاکیزہ سوسائٹی کی صورت میں اس کے سپرد کی کیا حشر کیا ہے حضورؐ نے ہمیں جھوٹے خداؤں سے آزاد کر کے خالقِ کائنات کی غلامی اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ اور عملاً اس غلامی کی بنیاد پر ایک معاشرہ تعمیر کر کے ہمیں یہ بتایا تھا کہ جب کوئی قوم بندگی رب کی اساس پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ اُٹھاتی ہے تو اُسے اِس قسم کے رُوحانی اور اخلاقی فیوض اور معاشی اور سیاسی برکات حاصل ہوتی ہیں۔

لیکن ہم نے حضورؐ کی اِس امانت کے ساتھ بڑا شرمناک رویّہ اختیار کیا۔ ہم لات و منات کی پرستش سے تو بلاشبہ مائل نہ ہوئے مگر اُن بتوں کی جگہ بہت سے نئے بُت تراش کر اُن کی محبّت میں گرفتار ہو گئے۔ ہمارے بعض بھائی بند وطنیت کے پجاری بنے۔

بعض نے فراعنہ کے ساتھ اپنا نسبتی تعلق جوڑ کر اس پہ اترانا شروع کیا۔ بعض نے خلافت کی قبا چاک کر کے اُمّتِ مُسلمہ کی وحدت کو پارا پارا کیا۔ اور پھر رنگ، نسل، وطن اور زبان کی بنیاد پر اُسے چھوٹے چھوٹے دھڑوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ بعض نے دینی شعور کو جِلا دینے کی بجائے ملّتِ اسلامیہ میں طبقاتی نفرت و حقارت کی آگ بھڑکائی۔ اِن ساری مذموم کارروائیوں کے بھیانک نتائج اِس صورت میں ہمارے سامنے آئے ہیں کہ اُمّتِ مُسلمہ کی عظیم اکثریت دعویٰ ایمان کے باوجود ایمان کے حقیقی جوہر سے کافی حد تک محروم ہو گئی ہے۔"

(ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء صـ۳-۴)

پھر لکھا ہے :-

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اچانک دُنیا میں تشریف لے آئیں تو کیا اُنہیں یہ دیکھ کر سخت دُکھ نہ ہوگا کہ اُن کی محبّت کے گیت گانے والوں اور اُن کی یاد میں محفلیں منعقد کرنے والوں نے جگہ جگہ اپنے مفادات کے صنم کدے آباد کر رکھے ہیں اور انکا ایمان جو کبھی باطل کے لیئے چنگاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب راکھ کا بے جان تودہ بن کر رہ گیا ہے۔" (ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء صـ۵-۶)

حُسنِ اتفاق سے اُن دنوں (اپریل ۱۹۷۶ء) لنڈن میں تمام دُنیا کے اسلامی مُلکوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں اطرافِ عالم سے آئے ہوئے اسلام کے نمائندگان نے شرکت کی۔ اس کے متعلق اخبار نوائے وقت لاہور ۱۸/اپریل ۱۹۷۶ء میں جناب Z. A. SULERI کی طرف سے ISLAM AND THE WEST (اسلام اور مغرب) کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں اس کانفرنس کے تاثرات بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس وقت عالمِ اسلام میں جس چیز کی کمی کو شدّت سے متفقہ طور پر محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ذیل میں اُس مضمون کو نقل کیا جاتا ہے !۔

ISLAM AND THE WEST

By Z. A. SULERI

London witnessed a grand panoply of Islamic thought at the Conference just ended. Never before has the West been given such a varied view and deep insight into the life and history of Muslim people the world over. While the Queen performed the opening ceremony of the Festival where the rarest objects of art were on show, Prince Feisal inagurated the seminar which was rich in scholars both Muslim and non-Muslim. The compass of themes was wide and ranged from the concept of state to the sanction of insurance in Islam. Those who attended the conference were indeed lucky, for it is not a common occasion when world renowned exponents of Islam can be heard from all conceivable angles. The non-Muslim audience must have been impressed by the comprehensive guidance which Islam provides in all fields of life.

What must have struck especially the western practitioners of duality—separate temporal nd religious departments of polity—is the fact that Islam should look at the different and apparently opposit aspects of life from a strictly unitarian perspective so that unless one's thoughts are illumined from the core of the faith, the structure of a Muslim sociey does not become accessible to comprehension. That is to say that a Muslim society should not only observe the rituals of worship but also follow injunctions on all mundane matters such as economy and statecraft. The polity includes the material aspect as much as the spiritual. Islam is an indivisible unity and therefore a complete organisation of life. It is indeed the exact opposite of Christianity. The non-Muslim audience must also have been impressed by the obviously passionate belief and enthusiam with which the Muslim speakers talked about their religion for the west has become apathetic to its own, if it has not altogether outlived its necessity, and is in any case treated as an anachronism.

یعنی اہلِ لندن نے اسلامی فکر و فلسفہ کی شان و شوکت کا منظر حال ہی میں اختتام پذیر ہونے والی قومی کانفرنس میں دیکھا۔ دنیا بھر میں مسلم قوم کی زندگی اور تاریخ کے بارے میں اس قدر گہرا اور وسیع مطالعہ اہلِ مغرب نے اس سے قبل نہیں دیکھا۔ ایک طرف ملکۂ برطانیہ نے اسلامی نوادرات کی نمائش کی نقاب کشائی کی تو دوسری جانب شاہ فیصل نے اس مذاکرے کا افتتاح کیا جس میں بے شمار مسلم اور غیر مسلم علماء نے شرکت کی۔ اور جس کے

موضوعات کا دائرہ اسلامی ریاست کے تصوّر سے لے کر بیمہ کے جواز تک محیط تھا۔

جنھوں نے اِس کانفرنس میں شرکت کی وہ بلاشبہ خوش قسمت تھے کیونکہ انہیں عالمی شہرت رکھنے والے اسلام کے نمائندگان کو مختلف زاویوں سے سُننے کا موقعہ میسّر آیا۔ غیر مسلم سامعین یقیناً اِس بے پایاں رہنمائی اور بصیرت سے متاثر ہوئے ہوں گے۔ جو اسلام زندگی کے ہر میدان میں عطا کرتا ہے۔

مغربی ممالک (جو دین و دُنیا کو الگ سمجھ کر ایک لحاظ سے دوعملی کے قائل ہیں) کو جس امر نے متاثر کیا ہوگا وہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام زندگی کے اِن دونوں شعبوں میں یگانگت کا قائل ہے۔ جب تک کسی کے افکار ایمان کے نور سے منوّر نہیں ہوتے اُس وقت تک وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ معاشرے میں نہ صرف رسوم و عبادات ہی ضروری ہیں بلکہ اقتصادیات اور نظامِ حکومت کے بارے میں دنیوی احکام کی پابندی بھی لازمی ہے۔ اسلامی ریاست میں مادی اور رُوحانی دونوں امور شامل ہیں۔ اسلام ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس لحاظ سے وہ ایک مکمّل ضابطۂ حیات

ہے جو عیسائیت سے یکسر مختلف ہے۔ غیر مسلم سامعین مسلم مقررین
کے اس جوشِ ایمانی اور واضح جذباتی اعتقاد سے ضرور متاثر
ہوئے ہوں گے جس سے انہوں نے تقریریں کیں۔ کیونکہ مغرب
اپنے مذہب کے بارے میں بے حس ہو گیا ہے۔ اس کے نزدیک
مذہب کی ضرورت ختم ہو گئی ہے اور اسے کم از کم فرسودہ تصور
کیا جانے لگا ہے:

اسلام کے متعلق اس روشن نظریاتی پہلو کے بعد فاضل مضمون نگار
اس کے موجودہ عملی تاریک حصہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

2. There is however a question which must have forcibly and inevitably risen in their minds. If Islam is such a wonderful code of life, they must have asked, how is it that the Muslims have fought shy of enforcing it in their countries, for out of the thirty or so represented there, none could speak with the conviction that comes of experience. All that could be said in that respect belonged to the past, partioularly to the glorious period of the Holy Prophet (peace be upon him) and the first four Caliphs. And there is nothing peculiar about their approach, because even communist admit that Islam played an historic role in the development of society. On the contrary, the advocates of the prevalent systems, western capitalism and etheistic communism, can speak in terms of concrete examples set in their respective hemispheres. They are open to be judged on their merits. Does it then mean that Islam is interesting only academically, as a study

in the past history of the human race and has no practical application to our own times or the future of mankind? In the alternative, our disquisitions on Islam appear to be an exercise in ascertaining and debating the truth of Islam of which we are not yet fully convinced. For the phenomenon of our being convinced of the Islamic values and yet our utter inability to translate them into practice, marks a glaring contradiction which is not explicable much less sustainable.

Actually the Muslim world is facing an agonising dilemma. It loudly declares its faith in Islam and yet does not possess the courage of its convictions to enforce its system.

یعنی بہر حال ایک سوال ہے جو لازماً ان کے دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے کہ اگر اسلام اتنا ہی حیرت انگیز ضابطۂ حیات ہے تو انہیں ضرور پوچھنا چاہیئے کہ پھر مسلمان اسے اپنے ممالک میں رائج کرنے میں کیوں ناکام رہے۔ کیونکہ تقریباً ان تیئیس ممالک میں سے جن کی وہاں نمائندگی کی گئی۔ کسی نے بھی اِس اعتماد کا مظاہرہ نہ کیا جو اسلام کو عملی طور پر تجربے میں لانے سے پیدا ہوتا ہے۔

جو کچھ بھی اس ضمن میں کہا گیا ہے وہ ماضی سے متعلق تھا۔ بالخصوص حضرت رسول کریمؐ اور ان کے پہلے چاروں خلفاء کے دَور کے بارے میں۔ اور اب اُن کا یہ طرزِ فکر کوئی خصوصیت

نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ تو اب کمیونسٹ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

اسلام نے معاشرے کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس کے برعکس رائج الوقت حکومتوں کے نظام یعنی مغربی سرمایہ دارانہ

اور دہریہ کمیونزم اپنے اپنے نصف کرۂ ارض میں ٹھوس مثالیں

پیش کرتے ہیں کہ اب اُن کی باتیں قابلِ تقلید ہیں۔ کیا اس کا یہ

مطلب ہے ؟ کہ اسلام محض ایک علمی حیثیت سے دلچسپ ہے۔

اب اِس کا مطالعہ محض نوعِ انسان کی ماضی کی تاریخ کے حوالے

سے ہی کیا جا سکتا ہے ؟

اور کیا ہمارے جدید دور میں یا انسانیت کے مستقبل میں

اِس کی کوئی عملی صورت نہیں ؟ اب دوسرے لفظوں میں اسلام

کے بارے میں ہماری تحقیق محض ایک ذہنی مشق یا مباحثہ ہے۔

اسلام کی اِس سچائی کے بارے میں جس پہ ہمیں خود بھی یقین نہیں۔

اسلامی اقدار کے بارے میں ہمارا یقین اور پھر عملی جامہ پہنانے

میں ہماری ناکامی ہماری زندگیوں کا ایک واضح اور ناقابلِ توجیہہ

تضاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دُنیا ایک افسوسناک

اُلجھن کا شکار ہے۔ ایک طرف تو وہ بآوازِ بلند اسلام کے

بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار کرتی ہے تو دوسری طرف اس

میں یہ حوصلہ نہیں کہ وہ ان عقائد کو اپنے نظام میں عملی شکل دے۔"

پھر اس دور کے مسلمانوں کے دل و دماغ میں کشمکش اور اس کے افسوسناک نتیجہ کا اظہار یوں کیا ہے :۔

3. The fact that such learned discourses were delivered at the London Conference on the Islamic view of state and society, economic and social life, science and knowledge, the question of race and women, shows the authenticity of its system. The leaders of the emergent national States in post—Luther Europe found no difficulty in confining Christianity to a secondary status within the Church because they were not faced with a competitive Christian system. But how do the Muslim

rulers propose to dovetail Islam within the secularist-socialist strait jacket when the two systems contradict each other just and cannot co-exist? One or the other and must give way. The confrontation is the deeper for Pakistan not only because of its clear Islamic genesis and its Islamic Constitution but also its practical demonstration of faith by declaring the Qadianis as non-Muslims. In any case, unless this conflict between heart and intellect—the heart going to Islam while the intellect dictates a compromise with the western—communist system—is out of the way, the Muslims will not be able to carry conviction with the west about Islam, which is a pity.

یعنی لندن کانفرنس میں مملکت اور معاشرہ معاشی اور معاشرتی زندگی، سائنس اور دیگر علوم متداولہ، رنگ ونسل

اور عورتوں کی حیثیت سے متعلق اسلامی نظریہ پر بہت فاضلانہ تقاریر ہوئیں ۔ یہ فاضلانہ تقاریر آئینہ دار ہیں اس حقیقت کی کہ اسلام ایک مستند اور معتبر نظام حیات کا حامل ہے ۔

لوتھر کے بعد یورپ میں قومیت کی بنیاد پر جو مملکتیں معرض وجود میں آئیں اُن کے لیڈروں کو کلیسیا سمیت عیسائیت کو ثانوی حیثیت تک محدود کرنے میں کسی دقّت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ اُنہیں کسی متقابل مسیحی نظام سے سابقہ نہیں پڑا لیکن مسلمان حکمران لادینی سوشلسٹ نظام کے تنگ جامہ کو اسلام کے جسم پر منڈھنے اور دونوں کو باہم مربوط و مدغم کرنے کی تجویز کیسے کر سکتے ہیں جبکہ دونوں میں بُعد المشرقین ہے اور دونوں ایک ساتھ زندہ رہ ہی نہیں سکتے ۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کے لیے ضرور جگہ خالی کرنا پڑے گی ۔ پاکستان کے آئین لادینی سوشلسٹ نظام کے ساتھ تصادم سطحی نہیں بلکہ بہت عمیق نوعیت کا ہے ۔ اس کی اپنی واضح اسلامی بنیاد اور اسلامی آئین کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اپنے ایمان و عقیدہ کے اُس عملی ثبوت کی وجہ سے بھی جس کا مظاہرہ اُس نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر کیا ہے ۔ بہرحال جب تک دل و دماغ کے درمیان

یہ کشمکش دُور نہ ہوگی کہ دل کا میلان تو اسلام کی طرف ہے اور دماغ مغرب کے اشتراکی نظام کے ساتھ مفاہمت کی طرف مائل ہے۔ مسلمان مغربی دُنیا کو اسلام کا قائل نہ کر سکیں گے۔ اور یہ ایک نہایت قابلِ افسوس بات ہے۔"

آخری نتیجہ کے طور پر فاضل مضمون نگار پُوچھتے ہیں :۔

4. But are we in position to present Islam to Europe when we are ourselves unprepared to adopt its system? Thus we are not only failing Islam but also the mission to humanity which inhered in our belief. The London conference must have caused disillusionment to the non-muslim observers who are desperately in search of some thing which would sustain them in their peril.

(Daily Nawai-i-Waqt
Lahore, Rawalpindi)
Dated 18-4-1976.

یعنی کیا ہم اس قابل ہیں کہ اسلام کو یورپ کے سامنے پیش کریں؟ حالانکہ ہم خود اس نظام کو اپنانے کے لیئے تیار نہیں۔ یوں نہ صرف ہم اسلام کو ناکام بنا رہے ہیں بلکہ بنی نوع انسان کے مشن کو بھی جو ہمارے عقیدے میں داخل ہیں۔

لندن کانفرنس سے غیر مُسلم مشاہدین کو یقیناً مایوسی ہوئی

ہو گی۔ کیونکہ وہ قنوطیت کے اس دور میں ایسی چیز کی تلاش میں ہیں جو انہیں خطرات سے بچا سکے یا مصائب میں بقا کا پیغام دے سکے۔"

(نوائے وقت لاہور۔ راولپنڈی ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء)

اب ہم ۱۹۷۶ء کی بجائے ۱۹۷۸ء میں آ گئے ہیں اور دوسری طرف چودھویں صدی ہجری ختم ہو چکی ہے۔ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ سے اس وقت اسلام کی طرف منسوب ہونے والوں کی حالت کے متعلق ایک نظم نوائے وقت اخبار ملت ایڈیشن ۱۴ فروری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔ جو درج ذیل ہے۔ عنوان ہے :۔

"بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم"

برّاق گ ہے کہرام ہے نعروں کی صدا ہے

تہران سے لاہور تلک حشر بپا ہے

افغان کے بُستان پہ نیپام گرا ہے

قندھار مسلمان کی شمشان بنا ہے

جو خطّۂ خوشحال ترے دیں پہ فدا ہے

امریکہ، سوویٹ کی سیاست میں گھرا ہے

دھیمی ہیں ترے قبلۂ اولیٰ کی اذانیں
اقلیمِ فلسطین میں بگل گونج رہا ہے
خوں مشرقِ وسطیٰ کا سرِ محفلِ اغیار
مغرب کی ہتھیلی کے لیئے رنگِ حنا ہے
دجلے کی روانی میں سلگ اُٹھا ہے پانی
بحرین کی طرفین پہ بارُود بچھا ہے
آتے ہیں نشہ پی کے زیاں کار بگولے
آندھی نے ڈسا ملّتِ بیضا کا دِیا ہے
اِک کپکپی طاری ہے غزالانِ حرم پر
مطلوب انہیں ولولۂ شیرِ خدا ہے
دے عزم حسین بن علی مردِ حزیں کو
پھر گرم ہُوا معرکۂ کرب و بلا ہے
اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
(شیر افضل جعفری - اخبار نوائے وقت ۱۴ فروری ۱۹۸۰ء)

اللہ تعالیٰ نے اسلام اور دُنیا کی اِن مشکلات کو اپنے وعدوں کے مطابق

ٹھیک وقت پر حل کرنے کا سامان کر دیا اور اپنے ایک بندہ کو اپنی طرف سے منتخب کر کے تمام مسلمانوں بلکہ تمام نوعِ انسانی کو ایک ہاتھ پر جمع ہونے اور ایک وحدت کی شکل اختیار کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اور تمام دنیا کے پروانے اس روحانی شمع کے گرد دُور دُور سے یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کے الہام کے مطابق اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ اور سُنّتِ الٰہی کے مطابق مخالفین کی طرف سے لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ کی سعی لاحاصل بھی شروع ہو گئی۔ اسلام کو عملی رنگ میں قائم کرنے کا کام دوبارہ نہایت مضبوط بنیادوں پر شروع کر دیا گیا۔ اس کا اعتراف علّامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے اِن الفاظ میں کیا:

”میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر (اورنگ زیب) کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے۔ اور ہماری تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیشِ نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔“

(تقریر ڈاکٹر علّامہ اقبال جو اُنہوں نے اپنے مشہور لیکچر ”ملّتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر“ میں حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی وفات

کے دو سال بعد ۱۹۱۰ء میں آسٹریچی ہال ایم او کالج علی گڑھ
میں بزبان انگریزی کی اور ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے مئی
۱۹۱۱ء میں بموجودگی سر محمد اقبال برکت علی محمڈن ہال لاہور کے
عظیم جلسہ میں پڑھ کر سُنایا)

قادیان میں جس رُوحانی انقلاب کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نے
رکھی اُس کے متعلق ایک جرمن سیّاح مسٹر فریڈرک کے تاثرات ملاحظہ کریں
جو سات ہفتے قادیان میں رہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"قادیان کی فضا مادی دُنیا سے بالکل مختلف اور خالص
رُوحانی ہے۔ یہاں مذہبی خیالات کا چرچا رہتا ہے۔ یہاں
رہنے سے انسان کے اندر ایسی طاقت پیدا ہوتی ہے کہ وہ
روزمرّہ کی زندگی میں مادیات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا
ہے۔ یہ رُوح اور جسم دونوں کے لیئے امن اور تازگی و آسودگی
کا مرکز ہے۔" (تاثراتِ قادیان مؤلفہ ملک فضل حسین صاحب صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴)

پھر لکھا ہے:۔

"قادیان دہلی، آگرہ کی طرح شاندار عمارات کا مجموعہ نہیں۔
لیکن ایک ایسی جگہ ہے جس کے رُوحانی خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔
یہاں پر دن جو گزارا جائے انسان کی رُوحانیت میں اضافہ کرتا

ہے۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو قادیان سے خالی ہاتھ واپس گئے ہوں۔ لیکن وہاں سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اُسکی قیمت کا اندازہ سکّوں میں نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بہت زیادہ قیمتی بلکہ انمول چیز ہے۔" (جرمن سیّاح کے تاثرات قادیان ۲ ۔ ۱ ۔)

سردار ارجن سنگھ جی امرتسر کے تاثرات:۔

"تم قادیان چلے جاؤ وہاں دیکھو گے کہ جابجا مدرسے مکتب، زنانہ و مردانہ درسگاہیں موجود ہیں۔ یہ بات ضرور حیرانی میں ڈالنے والی ہے کہ یہاں مسلمانوں کے دوسرے پیر مسلمانوں کو علم پڑھنے اور خاصکر انگریزی سیکھنے سے منع کرتے رہے ہیں۔ وہاں قادیان والے بزرگوں نے خود انگریزی پڑھنے سیکھنے کا کافی انتظام کر رکھا ہے۔ بلکہ لڑکیوں تک کو علم کے زیور سے آراستہ بنانے کی بنیادیں رکھ دی ہیں۔ چنانچہ قادیان کے زنانہ مدارس میں صدہا لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ دفتر جا بجا کھلے ہیں۔ باقاعدہ محکمے مقرر کئے گئے ہیں۔ کہیں تبلیغ اور پرچار کا محکمہ ہے تو کہیں تعلیم کا محکمہ کھلا ہے۔ کوئی ناظر امور عامہ ہے تو کوئی ناظر امور خارجہ۔ اور ان تمام محکموں پر ایک ناظر اعلیٰ مقرر ہے۔ جو تمام محکموں کی نگرانی کرتا ہے۔ ہر ہر محکمہ میں کئی کئی کلرک ہیں۔

الغرض یہ باقاعدہ انتظام بتلا رہا ہے کہ منتظم ایک اعلیٰ پایہ کا انسان ہے۔ انجمن احمدیہ کا ہیڈکوارٹر تو قادیان ہے۔ مگر مُلک کے تمام حصّوں میں جہاں چار گھر بھی میرزائیوں کے ہیں وہاں وہاں انجمن احمدیہ قائم ہیں اور انجمن اپنے کام مرکز کی اجازت اور مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ گویا ایک زنجیر کی یہ تمام کڑیاں ہیں۔ صدر دفتر سے جو حکم جاری ہوتا ہے اس پر تمام مُلک نہایت پریم اور محبّت سے عمل کرتا ہے اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے آنکھیں بچھائے رکھتا ہے۔ یقیناً اس عقیدہ کا نمونہ دُنیا بھر میں کہیں نظر نہیں آتا۔"

(تاثراتِ قادیان صفحہ ۲۰۹-۲۱۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ایک اور ہاتھ دکھایا۔ ہندوستان سے مُسلم اکثریت کا علاقہ پاکستان کی صورت میں علیحدہ ہوُا۔ پاکستان میں ربوہ نام کی ایک مثالی بستی قائم کر دی گئی جو قادیان کا ظِلّ تھی اور خالص اسلامی معاشرہ کا نمونہ بنی جس سے غیر اسلامی خرافات اور لغویات کو دُور رکھا گیا۔ نہ اس میں ناٹک اور سینما بنے نہ ہی ناچ اور راگ رنگ کی محفلیں منعقد کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کی بجائے اسلامی آداب اور پاکیزہ اطوار کو رائج کیا گیا۔ تاکہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کا نمونہ دُنیا میں کونسی بستی ہے اُن پر حُجّت پُوری ہو۔ اس کے متعلق بھی مشاہدہ کرنے والوں نے کثرت سے بیان جاری کرکے

گواہی دی ہے۔ اُن میں سے ایک دو بطور مثال ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مکرم اقبال شاہ صاحب لاہور سے تشریف لائے۔ اُنہوں نے اپنے تاثرات مفصّل طور پر "ربوہ میں چند یوم" کے عنوان سے تحریر کیئے۔ اس میں وہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہم اگر تعصّب کے جامہ کو اُتار کر بغور مشاہدہ و مطالعہ کریں تو ہم کو کہنا پڑے گا کہ صحیح اسلام کی جھلک ربوہ میں ملتی ہے۔" مثلاً ربوہ میں نماز کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ آج کے مسکرات و سینما وغیرہ نہایت سختی سے منع کیئے گئے ہیں۔ حتّٰی کہ سگریٹ نوشی کو بھی بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

(از کتاب الربوۃ دار الھجرۃ مرتبہ کیپٹن ملک خادم حسین صاحب صفحہ ۲۹۴-۲۹۵)

مکرم نسیم سیّد صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ اخبار چوٹ راولپنڈی "ربوہ میں" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے پتہ چلا کہ بڑے بڑے شہروں سے دُور یہ جگہ علم و ادب کا ایک چُھپا ہوا مرکز ہے۔ وہ جگہ جہاں تعلیم کا ذکر بھی نہ ہوتا تھا۔ اب ایک سے زائد کالجوں جن میں سے ڈگری کالج برائے طالبات بھی ہے کا مستقر ہے۔ مُفت طبّی امداد بلا امتیاز ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ الفضل، مصباح اور الفرقان اور ریویو آف ریلیجنز

(مذہبی جائزہ) اور دیگر رسائل کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی صحافی اہمیت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بیشتر بلکہ تمام رسالے مذہبی قسم کا لٹریچر شائع کرتے ہیں لیکن یہ بعید نہیں کہ جلد ہی ادبی معیار کے لحاظ سے ان میں سے کوئی جریدہ ملک گیر شہرت حاصل کرے۔"

(الربوہ دار الهجرة ص۲۷۶)

پھر لکھا ہے :-

"اس محدود سی تنظیم کی نگرانی میں برطانیہ، افریقہ، مراکش، امریکہ اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا کام پوری تندہی سے جاری ہے۔ گلوب کے کونے کونے سے مبلغ ربوہ آتے ہیں اور ہدایات لے کر اپنے اپنے مقاموں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنی زندگی اس مقصد کے لیے وقف کر رکھی ہے اور خیالات کی اشاعت کے لیے ہر طرح کی تکالیف بصد خوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس جذبہ کی قدر نہ کرنا صد درجہ ناانصافی ہوگی۔" (ص۲۷۹)

ہمارے اسلام کی طرف منسوب ہونے والے مخالفین خدا تعالیٰ کے اِس احسان پر خوش ہونے کی بجائے کہ اُس نے اپنے وعدوں کے مطابق

اپنی طرف سے اسلام کی ترقی اور سر بلندی کے سامان کر دیئے۔ ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کے اسمبلی میں فیصلہ کے بعد عجیب و غریب مطالبات کر رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ ربوہ (جو پہلے ہی رُوئے زمین کے ہر شخص کو اس جگہ آکر اسلام کی خوبیوں سے رُوشناس ہونے کی دعوت دیتا ہے) کھلا شہر قرار دیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ خلافِ اسلام اور خلافِ اخلاق باتیں جو دوسرے شہروں میں پائی جاتی ہیں ربوہ میں بھی جبراً رائج کی جائیں۔ تاکہ رُوئے زمین پر کوئی ایسی بستی نہ رہے جو خالص خدائے پاک کے اسلام پر عمل کرنے والی کہلا سکے۔

لیکن آسمانوں اور زمین کے خدا نے یہ ارادہ فرما لیا ہے کہ تمام رُوئے زمین پر ایسی مقدس بستیاں قائم کر دی جائیں اور اسلام کو تمام دُنیا میں غالب کر دیا جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے آئندہ زمانے میں فتنوں اور خرابیوں کی جو خبر دی تھی وہ حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ مسلمان ہر لحاظ سے پستی کے اتھاہ گڑھوں میں گر چکے ہیں۔ عیسائی دُنیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا بنانے والے اور تین خداؤں کے پجاری دُنیاوی طور پر طاقت و عروج کے انتہائی بلند مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اُن کے ۱تا ۶ اُمم گزشتہ حوالوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس حالت میں خدائی وعدوں کا دوسرا حصہ جنہیں مسلمانوں

کے دوبارہ ترقی کرنے اور اُن میں ایک ہادی کے پیدا ہونے اور ایک مسیح کے برپا ہونے کی خوشخبری دی گئی تھی پُورا ہونا ضروری تھا۔ خدا تعالیٰ کے وعدے پُورے ہوتے ہیں اور اپنے وقت سے کبھی نہیں ٹلتے چنانچہ چودھویں صدی کے عین آغاز میں وہ معہود مہدی اور مسیح وقت ظاہر ہو گیا اور سُنّت اللہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر خدائی نشانوں کے ساتھ دین کے احیاء کا کام شروع کر دیا۔ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ یعنی افسوس ہے بندوں پر اُن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی اُنہوں نے تضحیک نہ کی ہو کے قرآنی فرمان کے مطابق لوگوں نے اب بھی گزشتہ لوگوں کی طرح اس کو اپنی ہنسی ٹھٹھا اور ایذا رسانی کا نشانہ بنایا۔ لیکن ؎

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

(دُرِّ ثمین)

کے مطابق تاریکی چھٹتی چلی جاتی ہے اور جوں جوں لوگوں کی آنکھیں کھلتی چلی جاتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا جُوآ اپنی گردنوں پر رکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ضرور ہے کہ یہ نور اپنے دائرہ کو مکمل کرے اور دُنیا اَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا کا نظارہ دیکھے۔

یہ موعود قادیان کی ایک دُور اُفتادہ اور گمنام بستی میں ظاہر ہوا جس

کو ایک حدیث میں کدعہ کا نام دیا گیا ہے ۔ وہ موعود عین وقت پر

احمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلام بن کر آیا اور غلام احمد قادیانی نام

پایا۔ وہ پہلی پیشگوئیوں کا پُورا کرنے والا اور خدا کی طرف سے آسمانی اور

زمینی نشانات لیکر آیا۔ چنانچہ اس کا اعلان اِن الفاظ میں فرمایا ؎

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ مَیں نے

ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن

پر اطلاع ہوئی ہے ۔ اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوُا

اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت

ہے کہ اگر مَیں اپنے تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم

کروں تو سب کے سب اُس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائینگے

جس کے پاس آج دُنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے ۔

وہ ہیرا کیا ہے ۔ سچّا خدا ۔

اور اُس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اُس کو پہچاننا اور سچّا ایمان

اُس پر لانا ۔ اور سچّی محبّت کے ساتھ اُس سے تعلق پیدا کرنا اور

سچّی برکات اُس سے پانا ۔ . . . . وہ خزانہ جو مجھے ملا ہے

وہ بہشت کے تمام خزانوں اور نعمتوں کی کُنجی ہے ۔ وہ جوش

محبت سے بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور یہ

امر کہ وہ مال جو مجھے ملا ہے وہ حقیقت میں از قسم ہیرا اور سونا

اور چاندی ہے۔ کوئی کھوٹی چیز نہیں ہے۔ بڑی آسانی سے

دریافت ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان تمام دراہم اور دینار

اور جواہرات پر سلطانی سکّہ کا نشان ہے۔ یعنی وہ آسمانی گواہیاں

میرے پاس ہیں جو کسی کے پاس نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔

اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو مَیں جھوٹا

ہوں۔ اگر دُعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر

سکے تو مَیں جھوٹا ہوں۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان

کرنے میں کوئی میرا ہم پلّہ ٹھہر سکے تو مَیں جھوٹا ہوں۔ اگر غیب

کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوّت کے ساتھ

پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں اُن میں کوئی میری برابری

کر سکے تو مَیں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔"

(اربعین صفحہ ۲-۳)

لوگوں نے اِن خزائن سے اپنی اپنی جھولیاں بھریں اور آئندہ بھی

بھرتے چلے جائیں گے۔ مَیں اپنے خوابوں کی دُنیا سے حقیقت کی دُنیا میں چلا آیا۔

اب پھر خواب اور رُؤیا وغیرہ کے متعلق اِس وقت کے مجدّدِ اعظم، مہدی اور

مسیح موعود (اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو) کی تحریرات سے کچھ پیش کرنا
زیادہ موزوں اور مناسب رہے گا۔
چشمۂ معرفت صفحہ ۲۸۳ پر حضور فرماتے ہیں :-

"اہلِ کشف نے اپنی صحیح رؤیت اور روحانی تجارب کے
ساتھ معلوم کیا ہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے
جیسا کہ میں پچیس ۲۵ برس سے اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ
خدا کا الہام جو معارفِ روحانیہ اور علومِ غیبیہ کا ذخیرہ ہے دل
پر ہی نازل ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک ایسی آواز سے دل کا
سرچشمۂ علوم کھل جاتا ہے کہ وہ آواز دل پر اس طور بشدّت
پڑتی ہے کہ جیسے ایک ڈول زور کے ساتھ ایک ایسے کوئیں میں
پھینکا جاتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ تب وہ دل کا پانی جوش
مار کر ایک غنچہ کی شکل میں سربستہ اوپر کو آتا ہے اور دماغ کے
قریب ہو کر پھول کی طرح کھل جاتا ہے۔ اور اس میں سے ایک
کلام پیدا ہوتا ہے۔ وہی خدا کا کلام ہے۔ پس ان تجارب صحیحہ
روحانیہ سے ثابت ہے کہ دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلق
نہیں۔ ہاں اگر دماغ صحیحہ واقعہ ہو اور کوئی آفت نہ ہو تو وہ
دل کے علوم مخفیہ سے مستفیض ہوتا ہے۔ اور دماغ چونکہ منبت اعصاب

ہے۔ اس لیئے وہ ایسی کل کی طرح ہے جو پانی کو کوئیں سے کھینچ سکتی ہے۔ اور دل وہ کوآں ہے جو علوم مخفیہ کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ راز ہے جو اہلِ حق نے مکاشفاتِ صحیحہ کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے۔ جس میں میں خود صاحبِ تجربہ ہوں۔"

(چشمۂ معرفت ص ۲۸۲)

ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں تین قسم کی حکومت رکھی ہے۔ ایک دماغ، دوسرا دِل، تیسری زبان۔ دماغ عقول اور براہین سے کام لیتا ہے اور اس کا یہ کام ہے کہ ہر وقت وہ ایک تراش خراش میں لگا رہتا ہے۔ اور نئی نئی براہین اور حجج کو سوچتا رہتا ہے۔ اس کے سپرد یہی خدمت ہے کہ وہ مقدمات مرتّب کر کے نتائج نکالتا رہتا ہے۔ قلب تمام وجود کا بادشاہ ہے۔ یہ دلائل سے کام نہیں لیتا۔ چونکہ اس کا تعلق مَلِکُ الملوک سے ہے اس لیئے کبھی صریح الہام سے اور کبھی خفی الہام سے اطلاع پاتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دماغ وزیر ہے۔ وزیر مدبّر ہوتے ہیں۔ اس لیئے دماغ تجاویز، اسباب، دلائل اور نتائج کے متعلق کام میں لگا رہتا ہے۔ قلب کو ان سے کام نہیں ہے۔ اس کے اندر

اللہ تعالیٰ نے قوّتِ حاسّہ رکھی ہے۔ جیسے چیونٹی جہاں کوئی شیرینی رکھی ہوئی ہو معاً اُس جگہ پر پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ اُس کے پاس اِس کے لیئے کوئی دلیل اِس امر کی نہیں ہوتی کہ وہاں شیرینی ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے اس میں ایک قوّتِ حاسّہ رکھی ہوئی ہوتی ہے جو اُس کی رہبری کرتی ہے اور وہ دلائل و براہین اور ترتیب مقدمات اور استخراجِ نتائج کی ضرورت نہیں رکھتا۔ گو یہ امرِ دیگر ہے کہ دماغ اس کے لیئے یہ اسباب اور امور بھی بہم پہنچا دیتا ہے۔

قلب کے معنی ایک ظاہری اور جسمانی ہیں اور ایک رُوحانی۔ ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ پھرنے والا۔ چونکہ دَورانِ خون اِسی سے ہوتا ہے اِس لیئے اس کو قلب کہتے ہیں۔ رُوحانی طور پر اس کے معنی یہ ہیں کہ جو ترقیات انسان کرنا چاہتا ہے وہ قلب ہی کے تصرّف سے ہوتی ہیں۔ جس طرح پر دَورانِ خون جو انسانی زندگی کے لیئے ایک اشد ضروری چیز ہے اسی قلب سے ہوتا ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی ترقیوں کا اسی کے تصرّف پر انحصار ہے۔ بعض نادان آج کل کے فلسفی بے خبر ہیں۔ وہ تمام عمدہ کاروبار کو دماغ سے ہی منسوب کرتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں جانتے کہ دماغ کو تو صرف دلائل و براہین کا ملکہ ہے۔ قوّتِ متفکّرہ اور حافظہ

دماغ میں ہے۔ لیکن قلب میں ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے وہ سردار ہے۔ دماغ ایک قسم کا تکلّف ہے اور قلب میں نہیں۔ بلکہ وہ بلاتکلّف ہے اس لیئے قلب ربّ العرش سے ایک مناسبت رکھتا ہے۔ صرف قوّتِ حاسّہ کے ذریعہ دلائل و براہین کے بغیر پہچان جاتا ہے۔ اِسی لیئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِسْتَفْتِ الْقَلْبَ۔ یعنی قلب سے فتویٰ پُوچھ لے۔ یہ نہیں کہا کہ دماغ سے فتوی پُوچھ لو۔

الوہیت کی تار اِسی کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کوئی اِس کو بعید نہ سمجھے۔ یہ بات ادق اور مشکل تو ہے مگر تزکیۂ نفس کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ مکرمات قلب میں موجود ہیں۔ اگر قلب میں یہ طاقتیں نہ ہوتیں، تو انسان کا وجود ہی بیکار سمجھا جاتا۔ صوفی اور مجاہدہ کرنے والے لوگ جو تصوّف اور مجاہدات کے مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ قلب سے روشنی اور نُور کے ستون شہودی طور پر نکلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ایک خطِ مستقیم میں آسمان کو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بدیہی اور یقینی ہے۔ مَیں اِس کو خاص مثال کے ذریعہ سے بیان نہیں کر سکتا۔ ہاں جن لوگوں کو مجاہدات کرنے پڑتے ہیں یا جنہوں نے سلوک کی منزلوں کو

طے کرنا چاہا ہے اُنہوں نے اِس کو اپنے مشاہدے اور تجربہ سے صحیح پایا ہے۔ قلب اور عرش کے درمیان گویا باریک تار ہے۔ قلب جو حکم کرتا ہے اس سے ہی لذّت پاتا ہے۔ خارجی دلائل اور براہین کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ملہم ہو کر خدا سے اندر ہی اندر باتیں پا کر فتویٰ دیتا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ جب تک قلب قلب نہ بنے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ کا مصداق ہوتا ہے۔ یعنی انسان پر ایک وہ زمانہ آتا ہے کہ جس میں نہ قلب و دماغ کی قوّتیں اور طاقتیں ہوتی ہیں۔

پھر ایک زمانہ دماغ کا آتا ہے۔ دماغی قوّتیں اور طاقتیں نشوونما پاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ قلب منوّر اور مشتعل اور روشن ہو جاتا ہے۔ جب قلب کا زمانہ آتا ہے اُس وقت انسان رُوحانی بلوغ حاصل کرتا ہے اور دماغ قلب کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور دماغی قوّتوں کو قلب کی خاصیّتوں اور طاقتوں پر فوق نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دماغی حالتوں کو مومنوں سے ہی خصوصیّت نہیں ہے۔ ہندو اور چوڑھے وغیرہ بھی سب کے سب دماغ سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ دنیوی معاملات اور تجارت کے کاروبار میں مصروف ہیں۔ وہ سب کے سب

دماغ سے کام لیتے ہیں۔ اُن کی دماغی قوتیں پورے طور پر نشوونما پائی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر روز نئی نئی باتیں اپنے کاروبار کے متعلق ایجاد کرتے ہیں۔ یورپ اور نئی دُنیا کو دیکھو یہ لوگ کس قدر دماغی قوتوں سے کام لیتے ہیں۔ اور کس قدر آئے دن نئی ایجادیں کرتے ہیں۔ قلب کا کام جب ہوتا ہے جب انسان خدا کا بنتا ہے۔ اُس وقت اندر کی ساری طاقتیں اور ریاستیں معدوم ہو کر قلب کی سلطنت ایک اقتدار اور قوت حاصل کرتی ہے۔ تب انسان کامل انسان کہلاتا ہے۔ یہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ نَفَخْتُ فِيْهِ رُوْحِیْ کا مصداق ہوتا ہے اور ملائکہ تک اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ اس وقت وہ ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح پوری لذت اور سرور سے سرشار ہوتی ہے۔"

(الحکم جلد ۵ ۔ ۹ ۔ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳-۴)

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۱۸۲-۱۸۳)

پھر اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی میں حضور نے خواب، کشف اور الہام کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ خواب و الہام کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے

تحریر فرماتے ہیں :-

"واضح ہو کہ چونکہ انسان اِس مطلب کے لیئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو شناخت کرے اور اُسکی ذات اور صفات پر ایمان لانے کے لیئے یقین کے درجہ تک پہنچ سکے۔ اِس لیئے خدا تعالیٰ نے انسانی دماغ کی بناوٹ کچھ ایسی رکھی ہے کہ ایک طرف تو معقولی طور پر ایسی قوّتیں اُس کو عطا کی گئی ہیں جن کے ذریعے سے انسان مصنوعاتِ باریتعالیٰ پر نظر کرکے اور ذرّہ ذرّہ عالَم میں جو جو حکمتِ کاملہ حضرتِ باری عزّ اسمہٗ کے نقوشِ لطیفہ موجود ہیں۔ اور جو کچھ ترکیب ابلغ اور محکم نظامِ عالَم میں پائی جاتی ہے اُس کی تہ تک پہنچ کر پُوری بصیرت سے اِس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ زمین و آسمان کا بغیر صانع کے خود بخود موجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ اِس کا کوئی صانع ہو۔ اور پھر دوسری طرف رُوحانی حواس اور رُوحانی قوتیں بھی اس کو عطا کی گئی ہیں تا وہ قصور اور کمی جو خدا تعالیٰ کی معرفت میں معقولی قوتوں سے رہ جاتی ہے رُوحانی قوّتیں اُس کو پُورا کر دیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ معقولی قوّتوں کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی شناخت کامل طور پر نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ

معقولی قوتیں جو انسان کو دی گئی ہیں اُن کا تو صرف اِس حد تک کام ہے کہ زمین و آسمان کے فرد فرد یا اُن کی ترتیب محکم اور ابلغ پر نظر کر کے یہ حکم دیں کہ اِس عالم جامع الحقائق اور پُر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہیئے۔ یہ تو اُن کا کام نہیں ہے کہ یہ حکم بھی دیں کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بغیر اس کے انسان کی معرفت اِس حد تک پہنچ جائے کہ درحقیقت وہ صانع موجود ہے۔ صرف ضرورتِ صانع کو محسوس کرنا کامل معرفت نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ یہ قول کہ اِن مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیئے اس قول سے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ صانع جس کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے فی الحقیقت موجود بھی ہے۔ لہٰذا حق کے طالبوں کو اپنا سلوک تمام کرنے کے لیئے اور اُس فطری تقاضا کو پُورا کرنے کے لئے جو معرفتِ کاملہ کے لیئے اُن کی طبائع میں مرکوز ہے اِس بات کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ معقولی قوتوں کے رُوحانی قویٰ بھی اُن کو عطا ہوں۔ تا اگر اِن رُوحانی قوتوں سے پُورے طور پر کام لیا جائے اور درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو تو وہ محبوبِ حقیقی کا چہرہ ایسے صاف طور پر دکھلا سکیں جس طور سے صرف عقلی قوتیں اس چہرہ کو دکھلا نہیں سکتیں۔ پس وہ خدا جو کریم و رحیم ہے جیسا کہ

اُس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگادی ہے ایسا ہی اُس نے اس معرفت کاملہ تک پہنچنے کے لیے انسانی فطرت کو دو قسم کے قویٰ عنایت فرمائے ہیں۔ ایک معقولی قوتیں جن کا منبع دماغ ہے۔ اور ایک رُوحانی قوتیں جن کا منبع دل ہے اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے۔ اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کرسکتیں۔ رُوحانی قوتیں اُن کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور رُوحانی قوتیں صرف انفعالی طاقت اپنے اندر رکھتی ہیں یعنی ایسی صفائی پیدا کرنا کہ مبدءِ فیض کے فیوض اُن میں منعکس ہو سکیں۔"

(حقیقۃ الوحی باب اوّل صہ تا صہ۹۔ رُوحانی خزائن جلد ۲۲)

اِس کتاب کے ابتدائیہ میں حضور تحریر فرماتے ہیں :-

"سو مَیں اس کتاب کو چار باب پر منقسم کرتا ہوں۔ بابِ اوّل اُن لوگوں کے بیان میں جن کو بعض سچّی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچّے الہام ہوتے ہیں لیکن اُن کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

بابِ دوم اُن لوگوں کے بیان میں جن کو بعض اوقات سچّی خوابیں آتی ہیں یا سچّے الہام ہوتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق تو ہے لیکن بڑا تعلق نہیں۔

باب سوم اُن لوگوں کے بیان میں جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفیٰ طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ اُن کو حاصل ہے اور خوابیں بھی اُن کو فلق الصبح کی طرح سچّی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم اور اصفیٰ تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ نبیوں اور رسولوں کا تعلق ہوتا ہے۔

باب چہارم اپنے حالات کے بیان میں یعنی اِس بیان میں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے اِن اقسامِ ثلٰثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے۔ اب ہم اِس مضمون کو ذیل کے ہر چہار باب میں لکھتے ہیں۔ وما توفیقی اِلّا باللّٰہ۔ ربّنا اھدنا صراطک المستقیم۔ وھب لنا من عندک فھم الدّین القویم۔ وعلّمنا من لّدنک علمًا۔ (آمین)"

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مذہب اسلام اور اپنی ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو کسی اور جگہ سے اب حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اور اِس وقت دنیا کے دُکھوں، بیماریوں اور پریشانیوں کا کونسا علاج اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف سے نازل فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ فرماتے ہیں:-

"جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا اُس کی نظر محدود نہ تھی اور اُس کی غمخواری اور ہمدردی میں کچھ قصور نہ تھا۔ بلکہ کیا باعتبار زمان اور کیا باعتبار مکان اُس کے نفس کے اندر کامل ہمدردی موجود تھی اِس لیئے قدرت کی تجلّیات کا پُورا اور کامل حصّہ اُس کو ملا اور وہ خاتم الانبیاء بنے۔ مگر اِن معنوں سے نہیں کہ آئندہ اُس سے کوئی رُوحانی فیض نہیں ملیگا۔ بلکہ اِن معنوں سے کہ وہ صاحبِ خاتم ہے بجُز اُس کی مُہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اُس کی اُمّت کے لیئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجُز اُس کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مُہر سے ایسی نبوّت بھی مل سکتی ہے جس کے لیئے اُمّتی ہونا لازمی ہے۔ اور اُس کی ہمّت اور ہمدردی نے اُمّت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا اور اُن پر وحی کا دروازہ جو حصولِ معرفت کی اصل جڑھ ہے بند رہنا گوارا نہیں کیا۔ ہاں لِنی نہتمِ رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیئے یہ چاہا کہ فیضِ وحی آپ کی پیرَوی کے

وسیلہ سے ملے اور جو شخص اُمّتی نہ ہو اُس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے اِن معنوں سے آپؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچّی پیروی سے اپنا اُمّتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپؐ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مستقّل نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ مگر ظلّی نبوّت جس کے معنی ہیں کہ محض فیضِ محمّدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمّت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں اور معرفتِ الٰہیہ جو مدارِ نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹-۳۰)

ب اسلام کے بارے میں حضور تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ وہ مذاہب ہیں جن میں غور کرنے کے لیے مَیں نے ایک بڑا حصّہ عمر کا خرچ کیا اور نہایت دیانت اور تدبّر سے اُن کے اصول میں غور کی۔ مگر سب کو حق سے دُور اور مہجور پایا۔ ہاں وہ

مبارک مذہب جس کا نام **اسلام** ہے وہی ایک مذہب ہے
جو خدا تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ اور وہی ایک مذہب ہے جو انسانی
فطرت کے پاک تقاضوں کو پُورا کرنے والا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ
انسان کی ایک ایسی فطرت ہے کہ وہ ہر ایک بات میں کمال کو
چاہتا ہے۔ پس چونکہ انسان خدا تعالیٰ کے تعبدِ ابدی کے لیئے
پیدا کیا گیا ہے اس لیئے وہ اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ وہ
خدا جس کی شناخت کے بارے میں صرف چند بیہودہ قصّوں
پر حصر رکھے۔ اور وہ اندھا رہنا نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ
خدا تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے متعلق پُورا علم پاوے۔ گویا اُس کو
دیکھ لے۔ سو یہ خواہش اُس کی محض اسلام کے ذریعہ سے پُوری
ہو سکتی ہے اگرچہ بعض کی یہ خواہش نفسانی جذبات کے نیچے چھُپ
گئی ہے۔ اور جو لوگ دُنیا کی لذّات کو چاہتے ہیں اور دُنیا سے
محبّت کرتے ہیں وہ بوجہ سخت محجوب ہونے کے نہ خدا کی کچھ پرواہ
رکھتے ہیں نہ خدا تعالیٰ کے وصال کے طالب ہیں۔ کیونکہ دُنیا کے
بُت کے آگے وہ سرنگوں ہیں۔ لیکن اِس میں کچھ شک نہیں کہ جو
شخص دُنیا کے بُت سے رہائی پائے اور دائمی اور سچّی لذّت
کا طالب ہو وہ صرف قصّوں والے مذہب پر خوش نہیں ہو سکتا۔

اور نہ اُس سے کچھ تسلّی پا سکتا ہے۔ ایسا شخص محض اسلام میں اپنی تسلّی پائے گا۔ اسلام کا خدا کسی پر اپنے فیض کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بُلا رہا ہے کہ میری طرف آؤ۔ اور جو لوگ پُورے زور سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اُن کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۳-۶۴)

آپ نے اپنے متعلق تحریر فرمایا:۔

"سو مَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہُنر سے اس نعمت سے کامل حصّہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسُولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لیے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الورٰی حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو مَیں نے جو کچھ پایا اُس پیروی سے پایا۔ اور مَیں اپنے سچّے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اُس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفتِ کاملہ کا حصّہ پا سکتا ہے۔ اور مَیں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچّی اور کامل پیروی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلبِ سلیم ہے۔ یعنی دل سے دُنیا کی محبّت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی لازوال لذّت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّا اور کامل محبّتِ الٰہی بباعث اس قلبِ سلیم کے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی اُن کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبّت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو۔ تا خدا بھی تم سے محبّت کرے۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۴-۶۵)

پھر فرمایا :۔

"لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت انسانی فطرت کے انتہا تک پہنچی ہوئی ہے اس لیئے قرآن شریف کامل نازل ہُوا اور یہ کچھ بُرا ماننے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ یعنی بعض نبیوں کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے اور ہمیں حکم ہے کہ تمام احکام میں، اخلاق میں، عبادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

کریں۔پس اگر ہماری فطرت کو وہ قوتیں نہ دی جاتیں جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کو ظلّی طور پر حاصل کرسکتیں تو یہ
حکم ہمیں ہرگز نہ ہوتا کہ اس بزرگ نبی کی پیروی کرو کیونکہ خدا تعالیٰ
فوق الطاقت کوئی تکلیف نہیں دیتا۔جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ اور چونکہ وہ جانتا
تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات تمام انبیاء کے
ہیں اِس لیے اُس نے ہماری پنج وقتہ نماز میں یہ دُعا پڑھنے کا حکم
دیا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ o صِرَاطَ الَّذِیْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ o یعنی اے ہمارے خدا ہم سے پہلے جس قدر
نبی اور رسول اور صدیق اور شہید گزر چکے ہیں اُن سب کے کمالات
ہم میں جمع کر۔پس اِس اُمّتِ مرحومہ کی فطرتِ عالیہ کا اِسی سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ اس کو حکم ہوا ہے کہ تمام گزشتہ متفرق کمالات کو
اپنے اندر جمع کرو۔ یہ تو عام حکم ہے اور خواص کے مدارج خاصّہ
اِسی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔اسی وجہ سے اُمّت کے باکمال صوفی
اِس پوشیدہ حقیقت تک پہنچ گئے ہیں کہ انسانی فطرتوں کے
کمال کا دائرہ اسی اُمّت نے پُورا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس
طرح ایک چھوٹا سا تخم زمین میں بویا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ

اپنے کمال کو پہنچ کر ایک بڑا درخت بن جاتا ہے اسی طرح انسانی سلسلہ نشو و نما پاتا گیا اور انسانی قوتیں اپنے کمال میں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں وہ اپنے کمالِ تام تک پہنچ گئیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ میں ایک ایسے نبی کا تابع ہوں جو انسانیت کے تمام کمالات کا جامع تھا اور اس کی شریعت اکمل اور اتم تھی اور تمام دُنیا کی اصلاح کے لیے تھی اسلیئے مجھے وہ قوتیں عنایت کی گئیں جو تمام دُنیا کی اصلاح کے لیئے ضروری تھیں۔ تو پھر اِس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لیئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھٰذا تحدیث نعمت اللہ ولا فخر۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آتے تو اِس کام کو انجام نہ دے سکتے۔ اور اگر قرآن شریف کی جگہ توریت نازل ہوتی تو اس کام کو ہرگز انجام نہ دے سکتی جو قرآن شریف نے دیا۔ انسانی

مراتب پردۂ غیب میں ہیں۔ اس بات میں بگڑنا اور مُنہ بنانا اچھا نہیں۔ کیا جس قادرِ مطلق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا وہ ایسا ہی ایک اَور انسان یا اس سے بہتر پیدا نہیں کر سکتا ؟ ※

اگر قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے تو وہ آیت پیش کرنی چاہیئے۔ سخت مردُود وہ شخص ہو گا جو قرآنی آیت سے انکار کرے۔ ورنہ مَیں اس پاک وحی کے مخالف کیونکر خلافِ واقعہ کہہ سکتا ہوں۔ جو قریباً تیئس برس سے مجھ کو تسلّی دے رہی ہے اور ہزار ہا خدا کی گواہیاں اور فوق العادت نشان اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ اُس نے دیکھا کہ ایک شخص کو محض بے وجہ خدا بنایا گیا

※ خدائے تعالیٰ کے کاموں کا کوئی انتہا نہیں پا سکتا۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام عظیم الشان نبی گزرے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے توریت دی اور جن کی عظمت اور وجاہت کی وجہ سے بلعم باعور بھی ان کا مقابلہ کر کے تحت الثریٰ میں ڈالا گیا اور کُتّے کے ساتھ خدا نے اسکی مشابہت دی۔ وہی موسیٰ ہے جس کو ایک بادیہ نشین شخص کے علومِ رُوحانیہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا اور اُن غیبی اسرار کا کچھ پتہ نہ لگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فوجدا عبداً من عبادنا اٰتیناہ رحمۃً من عندنا وعلّمناہ من لدنا علماً۔ منہ

ہے جس کی چالیس کروڑ آدمی پرستش کر رہے ہیں، تب اُس نے مجھے
ایسے زمانہ میں بھیجا کہ جب اِس عقیدہ پر غلو انتہا تک پہونچ گیا تھا
اور تمام نبیوں کے نام میرے نام رکھے مگر مسیح ابن مریم کے نام
سے خاص طور پر مجھے مخصوص کرکے وہ میرے پر رحمت اور عنایت
کی گئی جو اُس پر نہیں کی گئی۔ تا لوگ سمجھیں کہ فضل خدا کے ہاتھ میں
ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اگر میں اپنی طرف سے یہ باتیں کرتا
ہوں تو جھوٹا ہوں لیکن اگر خدا میری نسبت اپنے نشانوں کے ساتھ
گواہی دیتا ہے تو میری تکذیب تقویٰ کے برخلاف ہے اور جیسا کہ
دانیال نبی نے بھی لکھا ہے۔ میرا آنا خدا کے کامل جلال کے
ظہور کا وقت ہے اور میرے وقت میں فرشتوں
اور شیاطین کا آخری جنگ ہے اور خدا اِس وقت
وہ نشان دکھائے گا جو اُس نے کبھی دکھائے نہیں۔
گویا خدا زمین پر خود اُتر آئے گا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے
ھَل ینظرون اِلّا اَن یاتیھم اللہ فی ظلل مّن
الغمام۔ یعنی اُس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا۔ یعنی انسانی
مظہر کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ
دکھلائے گا۔ کفر اور شرک نے بہت غلبہ کیا۔ اور وہ

خاموش رہا اور ایک مخفی خزانہ کی طرح ہو گیا۔ اب
چونکہ شرک اور انسان پرستی کا غلبہ کمال تک پہنچ گیا
اور اسلام اُس کے پاؤں تلے کچلا گیا۔ اِس لیئے خدا
فرماتا ہے کہ مَیں زمین پر نازل ہوں گا۔ اور وہ قہری
نشان دکھلاؤں گا کہ جب سے نسلِ آدم پیدا ہوئی ہے
کبھی نہیں دکھلائے۔ اِس میں حکمت یہ ہے کہ مدافعت
بقدر حملۂ دشمن ہوتی ہے۔ پس جس قدر انسان پرستوں کو
شرک پر غلو ہے وہ غلو بھی انتہا تک پہنچ گیا ہے۔
اِس لیئے اب خدا آپ لڑے گا۔ وہ انسانوں کو کوئی
تلوار نہیں دے گا اور نہ کوئی جہاد ہو گا۔ ہاں اپنا ہاتھ
دکھلائے گا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۷-۱۵۸)

اِس طرح جس انگریز مصنف ایچ۔ جی ویلز (H. G. WELLS) کا
میں حوالہ دے آیا ہوں کہ دُنیا ایک اَور رنگ میں آ گئی ہے اور اُن کے یہ
ارادے ہیں کہ تمام مذاہب کو مٹا کر وہ تمام دُنیا پر چھا جائیں۔ اسکے مقابلہ
میں اللہ تعالےٰ نے آسمان سے ایک شخص کو حکم دے کر اس لیئے کھڑا کر دیا
ہے کہ تمام دُنیا کو ایک دینِ واحد اسلام پر اور محمّد صلی اللہ علیہ وسلم
کے جھنڈے کے نیچے جمع کرے۔ اِس طرح مسلمانوں کی مایوسی اور حیرانی کو

دُور کرنے کا سامان بھی اپنے وعدوں کے موافق فرما دیا۔ جیسا کہ اسی مذکورہ بالا کتاب حقیقۃ الوحی کے آخر میں حضرت اقدس نے ایک نظم میں فرمایا ہے ؎

دوستو اُس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اِس باغ کے اب جلد لہرانے کے دن
اِک بڑی مدت سے دیں کو کُفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کُفر کو کھانے کے دن
دن بہت ہیں سخت اور خوف و خطر در پیش ہے
پر یہی ہیں دوستو اُس یار کو پانے کے دن
دیں کی نصرت کے لئے اِک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن
چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گُن گانے کے دن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

چونکہ خاکسار اپنے خواب ایک جگہ جمع کر کے پیش کر رہا ہے یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ ان کے متعلق بھی حقیقۃ الوحی میں سے ہی ایک حوالہ درج ہے جو یہ ہے :-

"یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب آسمان سے مقرر ہو کر ایک نبی یا رسول آتا ہے تو اُس نبی کی برکت سے عام طور پر ایک نُور حسبِ مراتب استعدادات آسمان سے نازل ہوتا ہے اور انتشارِ رُوحانیت ظہور میں آتا ہے۔ تب ہر ایک شخص خوابوں کے دیکھنے میں ترقی کرتا ہے۔ اور الہام کی استعداد رکھنے والے الہام پاتے ہیں اور رُوحانی امور میں عقلیں بھی تیز ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ جب بارش ہوتی ہے ہر ایک زمین کچھ نہ کچھ اس سے حصّہ لیتی ہے ایسا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب رسول کے بھیجنے سے بہار کا زمانہ آتا ہے۔ تب اُن ساری برکتوں کا موجب دراصل وہ رسول ہوتا ہے۔ اور جس قدر لوگوں کو خوابیں یا الہام ہوتے ہیں دراصل اُن کے کھلنے کا دروازہ وہ رسول ہی ہوتا ہے کیونکہ اُس کے ساتھ دُنیا میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اور آسمان سے عام طور پر ایک روشنی اُترتی ہے جس سے ہر شخص حسبِ استعداد حصّہ لیتا ہے۔ وہی روشنی خواب اور الہام کا موجب ہو جاتی ہے اور نادان خیال کرتا ہے کہ میرے ہنر سے ایسا ہوا ہے مگر وہ چشمۂ الہام اور خواب کا صرف اُس نبی کی برکت سے دُنیا

پر کھولا جاتا ہے۔ اور اُس کا زمانہ ایک لیلۃ القدر کا زمانہ ہوتا ہے جس میں فرشتے اُترتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ۔ جب سے خدا نے دُنیا پیدا کی یہی قانونِ قدرت ہے۔" (حاشیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۹)

الحمدُ لِلّٰہ علیٰ ذٰلک۔

قرآنِ کریم میں بھی رُؤیا کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے :۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ۔

"جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے میرے باپ مَیں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو (رُؤیا میں) دیکھا ہے۔ مَیں نے اُن کو اپنے سامنے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔"

ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب یوسف علیہ السلام کو ملکِ مصر میں حکومت اور تمکنت بخشی اور گیارہ بھائی اور ماں باپ اُن کے پاس آگئے اور رواج کے مطابق اُن کے آگے جھکے تو حضرت یوسف علیہ السلام

نے پھر اپنے بچپن کے خواب کے پُورا ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ اس کا ذکر قرآن کریم نے اِن الفاظ میں فرمایا:۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا۔ وَقَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا۔

یعنی اُس نے اپنے ماں باپ کو اپنے تخت پر بٹھایا اور وہ (سب) اس کی وجہ سے سجدہ میں گر گئے اور اُس نے (یعنی یوسفؑ نے) کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے سے (خواب میں) دیکھی ہوئی بات کی تعبیر ہے۔ اللہ نے اُسے پُورا کر دیا ہے۔"

اِسی سورۃ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی قید کے زمانہ میں دو اشخاص کے خوابوں کا ذکر بھی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید تھے۔ اُن کا ذکر قرآن کریم نے اِس طرح فرمایا ہے:۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"اور قید خانہ میں اُس کے ساتھ دو اور جوان (بھی) داخل ہوئے جن میں سے ایک نے کہا کہ میں (خواب میں) اپنے آپ کو اِس حالت میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو (اس حالت میں) دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہُوں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں (اور اُن دونوں نے اُس سے کہا) آپ ہمیں اِس کی حقیقت سے آگاہ کریں ہم آپ کو یقیناً نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں"

اِس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں فرمائی:۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ

یعنی اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! (اب اپنے اپنے خواب کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سُولی دے کر مارا جائے گا۔ پھر پرندے اُس کے سر پر سے (گوشت وغیرہ) کھائیں گے (تو) جس امر کے متعلق تم پُوچھ رہے ہو اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے"

اِن کے علاوہ اِسی سُورۃ میں بادشاہِ مصر کے خواب کا ذکر ہے :-

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ○

"اور بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ مَیں (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات (تر و تازہ اور) سبز بالیں (دیکھتا ہوں) ۔ اور چند اور (بالیں بھی جو) خشک ہیں۔ اے سرکردہ لوگو! اگر تم رُؤیا کی تعبیر کیا کرتے ہو تو مجھے میری (اِس) رُؤیا کے متعلق صحیح حکم بتاؤ۔"

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ○

"اُنہوں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خوابیں ہیں اور ہم (لوگ) ایسی پراگندہ خوابوں کی حقیقت کو نہیں جانتے۔"

پھر رہا شدہ قیدی کے کہنے پر اُسے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں

تعبیر دریافت کرنے کے لیئے بھیجا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتلائی :-

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۝

"اُس نے کہا کہ تم سات برس مسلسل جد و جہد سے کاشت کا کام کرو گے۔ پس (اس عرصہ میں) جو کچھ تم کاٹو اُس (سب) کو سوائے اس تھوڑے سے حصّہ کے جو تم کھالو اس کی بالوں میں ہی رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد سات سخت تنگی کے سال آئیں گے۔ اور سوائے اس قلیل مقدار کے جسے تم پس انداز کرلو وہ اُس تمام غلّہ کو جو تم نے اُن کے لیئے پہلے سے جمع کر چھوڑا ہوگا کھا جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد سُنی جائے گی اور وہ خوشحال ہو جائیں گے اور اس حالت میں ایک دوسرے کو تحفے دینگے"۔

قرآن کریم نے اِن مختلف خوابوں کو ایک ہی سورۃ میں بیان کر کے اِس کو ایک علمی مسئلہ بنا دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ :۔

۱۔ خواب اور رُؤیا ایک قابلِ توجہ اور قابلِ قدر علم ہے۔

۲۔ خواب اور رؤیا تعبیر طلب ہوتے ہیں۔

۳۔ اِن کا تعلق آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ہوتا ہے۔

۴۔ خواب تمثیلی زبان میں دکھائے جاتے ہیں۔ جو چیزیں اُن میں دکھائی جاتی ہیں۔ اُن میں آئندہ پیش آنے والے امور سے مشابہ چیزیں نظر آتی ہیں۔

۵۔ خواب دیکھنے والے کے اپنے خیالات اور مشکلات کا جواب ہوتے ہیں کیونکہ وہ خواب دیکھنے والے کے آئندہ حالات سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ایک بالا ہستی کی طرف سے پیش آمدہ مشکلات کا حل بتاتے ہیں۔ اِس لیئے لوگوں کو یہ دھوکا لگتا ہے کہ ان کا تعلق کسی بالا ہستی سے نہیں بلکہ یہ صرف دیکھنے والے کے خیالات کی بھول بھلیّاں ہی ہیں۔ اِسی لیئے بادشاہِ مصر کے درباریوں نے ان کو اضغاثِ احلام یعنی پراگندہ خیال قرار دے دیا۔ لیکن جب اُن کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمائی تو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ چودہ پندرہ برس میں پیش آنے والے اہم اور سنگین مُلکی حالات سے تعلق رکھتے تھے۔

۶۔ اِس جگہ تین قسم کے لوگوں کے خواب بیان کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو اُس کے اپنے حالات کے مطابق خواب دکھائے جاتے ہیں۔

(ا) حضرت یوسف علیہ السلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں رکھ کر آئندہ نبوّت سے سرفراز کرنا تھا اُن کو درمیانی ابتلاؤں سے نکال کر آئندہ ترقیات کی بشارت دی گئی۔

(ب) دونوں قیدیوں کو اُن کے متعلق ہونے والے فیصلہ کی خبر دی گئی۔

(ج) اور مصر کے بادشاہ کو آئندہ برسوں میں اُس کی سلطنت کے اندر پیش آنے والے سنگین اقتصادی حالات اور قحط سے خبردار کیا گیا۔ تاکہ وہ اس کے متعلق پیش بندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرسکے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی برتیت اور تمکنت کے سامان بھی ہو گئے۔

۷۔ یہ باتیں جو خواب اور رُویا میں دکھائی جاتی ہیں بے فائدہ اور ظنّی نہیں ہوتیں بلکہ قطعی اور یقینی ہوتی ہیں۔ تبھی تو حضرت یوسف علیہ السّلام نے تعبیر بتاتے وقت پُورے یقین اور وثوق سے فرما دیا۔ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ۔ جس امر کے متعلق تم پوچھ رہے

ہو اُس کا فیصلہ صادر کر دیا گیا ہے۔

انسان کمزور اور ضعیف البنیان ہے۔ ہر قدم پر اس کو رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہر قدم پر وہ اپنے آپ کو ایک دوراہے پر کھڑا ہوا پاتا ہے۔ اور نہیں سمجھتا کہ اِن دو راستوں میں سے کونسا اختیار کرے۔ اور اس کی رُوح کی گہرائیوں سے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف ایک پُکار اُٹھتی رہتی ہے کہ وہ اُس کی رہنمائی فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اِنَّا عَلَیْنَا لَلْھُدٰی فرما کر رہنمائی اپنے ذمّہ لی ہے اور اِسی لئے انبیاء و مرسلین کو متواتر بھیجا۔ اور وقتاً فوقتاً صحائف اور کتبِ آسمانی کے ذریعے ہدایت کے سامان پیدا فرمائے اور ہمیں پانچ وقت کی نمازوں میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا سکھائی۔ پھر ہمارے انفرادی امور میں بھی استخارہ اور دُعا کا طریق جاری فرمایا۔ مَیں نے اپنی زندگی میں قریباً ہر ایک معاملہ میں ہر قدم پر اپنے آپ کو بے بس پایا اور اضطرار اور بے چینی میں اللہ تعالیٰ کے حضور جب بھی دُعا کی تو اُس نے اپنی رحمت سے نوازا اور خواب کے ذریعے یا کسی اَور رنگ میں دل کو تسکین حاصل ہوئی۔ اور تمام وہ معاملات جن کے حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی حل ہوتے چلے گئے۔ ایک مشکل کے بعد دوسری پیش آتی چلی جاتی ہے۔ اور اِس وقت بھی جب میری عمر ستّر برس کے قریب ہے اپنے آپ کو

اُلجھنوں میں جکڑا ہوا پاتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی اتنے سالوں کی نوازشوں
اور رحمتوں کو دیکھ کر دل میں نا امیدی اور مایوسی کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی
اور بے چین ہو کر اُسی کی چوکھٹ پر سر رکھنے سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور
یقین رہتا ہے کہ یہ بظاہر ناقابلِ حل مشکلات بھی اُسی کی نظرِ عنایت سے
حل ہو کر ثمراتِ شیریں کی شکل اختیار کر لیں گی۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيز

؎ مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

میں اپنے اکثر خواب لکھتا چلا جاتا ہوں۔ زندگی میں جن مشکل حالات
سے گزرنا پڑا اُن کے تصوّر سے ہی گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے اور ہر قدم
پر حضرت اقدس...... کے اس شعر کو اپنے حسبِ حال پاتا ہوں ؎

میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

ہم دو ہی بھائی تھے۔ دوسرا مجھ سے چھوٹا تھا۔ اُن کا نام عبدالحق
شاہ تھا۔ میری عمر ابھی آٹھ نو سال کی ہو گی اور چھوٹا بھائی تو ابھی شیر خوار
تھا کہ والدہ محترمہ (اللہ تعالیٰ اُن کو جنّت الفردوس میں بلند درجات عطا
فرمائے) کی وفات کی وجہ سے ہم والدہ کی شفقت سے محروم ہو گئے۔
تقریباً انیس[19] سال کی عمر میں سنڈیمن ہائی سکول سے میں نے میٹرک کا
امتحان پاس کیا اور سکھر انجینئرنگ کالج میں داخلہ لیا۔ اُنہیں دنوں میں سلسلہ

عالیہ احمدیہ میں شمولیت کا شرف حاصل ہُوا۔ تعلیم بھی ادھوری رہ گئی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے بعد میں اِس کمی کو پُورا کر دیا۔

اِس طرح اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پہ تنہا زندگی کا سفر طے ہونے لگا۔ چھوٹے بھائی نے بھی بیعت کر لی تھی۔ لیکن وہ اپنے گاؤں عمر کوٹ ضلع ڈیرہ غازیخان میں رہے۔ والد بزرگوار کی وفات ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور چھوٹے بھائی دس فروری ۱۹۶۷ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ اِس طرح ماں باپ بھائی کی محبّتوں اور رفاقت سے محروم رہنا پڑا۔ اور بہن تو کوئی تھی ہی نہیں۔ اِس طرح تن تنہا اللہ تعالیٰ کے سہارے زندگی کا سفر طے ہوتا رہا۔ اور یہ سہارا ہر قدم پر میرا حافظ و ناصر اور معین و مددگار رہا۔ الحمد للہ۔

یہ خواب جو مَیں نے لکھے ہیں مجھے میری زندگی کی مشکلات میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانے، اُس سے مدد مانگنے اور اُس سے تسلّی اور تشفّی پانے کی یاد دلاتے ہیں۔ اِس طرح یہ میرا سرمایۂ حیات ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ میری اولاد میں سے کوئی اِن باتوں کو دیکھ کر اس بات کو سمجھ لے کہ خدا ایک بڑا خزانہ ہے نیز بہترین رفیق اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی ہے۔ وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے اور بڑا ہی کریم اور رحیم ہے۔ انسان اُس کے دروازہ کو چھوڑ کر نہ جائے تو ہر طرح محفوظ رہتا ہے اور کسی کو اُس کے آستان سے ناکام لوٹنا نہیں پڑتا۔

کیسی ہی مشکل اور انہونی بات کیوں نہ ہو اُس کی نظرِ عنایت سے حل ہو جاتی ہے۔ جو کچھ وہ کرنے کا حکم دیتا ہے اُس کے کرنے اور جن باتوں سے وہ روکتا ہے اُن کو چھوڑ دینے میں سراسر نجات اور عزّت ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِس مجموعے میں کوئی بات اُن سے تعلق رکھتی ہو اور اُن کے ایمان میں زیادتی کا موجب بنے۔ اپنے خاندانی حالات کے متعلق علیحدہ تفصیل سے لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انشاءاللہ۔ وباللہ التوفیق حسبی اللہ نعم الوکیل۔ نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اِس کتاب کو پڑھنے والوں کے لیے ہر طرح بابرکت اور مفید بنائے اور میرے لئے مغفرت اور اجر کا باعث بنائے۔ آمین۔ ثمّ آمین ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نمبر شمار و تاریخ

(۱) سنہ ۱۹۲۳ء (اندازاً) - اوائل شباب میں خاکسار کو اس بات کا شوق پیدا ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو۔ ایک رات کچھ دعائیں پڑھ کر سویا۔ خواب میں دیکھا۔ والد بزرگوار خاکسار کے سرہانے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ "نوکری کی قید سے بچو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ اور سب کچھ ہو جائے گا"۔

اس کے بعد خاکسار کے دل سے ملازمت کی رغبت جاتی رہی۔ چنانچہ کہیں دل لگا کر مستقل رنگ میں ملازمت اختیار نہ کی ضرورتاً کہیں کام کر لیتا پھر اس کو موقعہ اور ضرورت کے مطابق ترک کرتا اور دوسری جگہ اور کام اختیار کر لیتا۔ اُن دنوں ہمارے مُلک پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ بچپن میں انہی جذبات کے اظہار کے لئے ایک نظم بھی لکھی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا ؎

کیوں کافروں کی نوکری مانگوں خدا سے میں

---

(۲) ایک بار زمانہ طالب علمی میں مَیں نے خواب میں دیکھا جیسے رسول کریم

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ اقدس میں ہوں۔ وہاں چند لڑکے
کھیل رہے ہیں اور کنکر اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہے ہیں۔ روضۂ
اقدس کے دروازہ میں شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اس خیال سے کہ کہیں
ٹوٹ نہ جائیں۔ میں نے ان لڑکوں کو وہاں سے بھگا دیا۔ الحمد للہ

---

(۳) ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ زمزم کا کنواں خشک پڑا ہے
میں نے ایک کنکر اُٹھا کر اس میں پھینکا۔ اچانک خلافِ توقع اس میں
سے پانی جوش مار کر نکل آیا۔ جیسے چشمہ سے نکل آتا ہے۔ الحمد للہ

---

(۴) ۲۹-۱۹۲۸ء میں جبکہ خاکسار کوئٹہ گورنمنٹ سنڈیمن ہائی سکول میں
تعلیم پاتا تھا اس موقعہ پر جبکہ امیر امان اللہ خان بادشاہ افغانستان
یورپ کی سیاحت کو جاتے ہوئے کوئٹہ سے گزرے تو خاکسار بھی
سٹیشن پر گیا اور جلد ہی واپس لوٹ آیا اور دل شکستہ اور پریشان
تھا کیونکہ وہاں جا کر جو نظارہ دیکھا وہ میرے لئے حوصلہ شکن تھا۔
امیر امان اللہ خان کے مصاحب جو گاڑی کے ایک ڈبہ سے برآمد
ہوئے ان سب کی ڈاڑھیاں مُنڈی ہوئی تھیں اور یورپین لباس
اور طرز میں رنگین تھے۔ میں نے خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی

ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ امام مہدی علیہ السلام جلد ظاہر ہونے والے ہیں۔ اُن کے آنے سے پہلے قندھار کی طرف سے اُن کی مدد کے لیئے اُٹھنے والے سیاہ جھنڈوں کو امیر امان اللہ خان پر چسپاں کیا تھا۔ خاکسار پر سٹیشن کے اِس نظارہ کا اچھا اثر نہ ہُوا۔ دوسروں سے پہلے واپس ہوسٹل پہنچا۔ جو اُس وقت خالی پڑا ہُوا تھا۔ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی کرب سے دعائیں کیں کہ یا اللہ ہم ایسے زمانہ میں ہیں کہ باوجود تلاش اور تڑپ کے حق کا پتہ نہیں چلتا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوتے یا پھر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہمیں میسّر آتا تو کامل یقین کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کر سکتے۔ انہی دنوں خواب میں دیکھا جیسے کوئی کہتا ہے۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا۔

انہی دنوں خاکسار نے ایک خواب دیکھا جو بصورتِ ذیل ہے:-

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں ــــــــ!
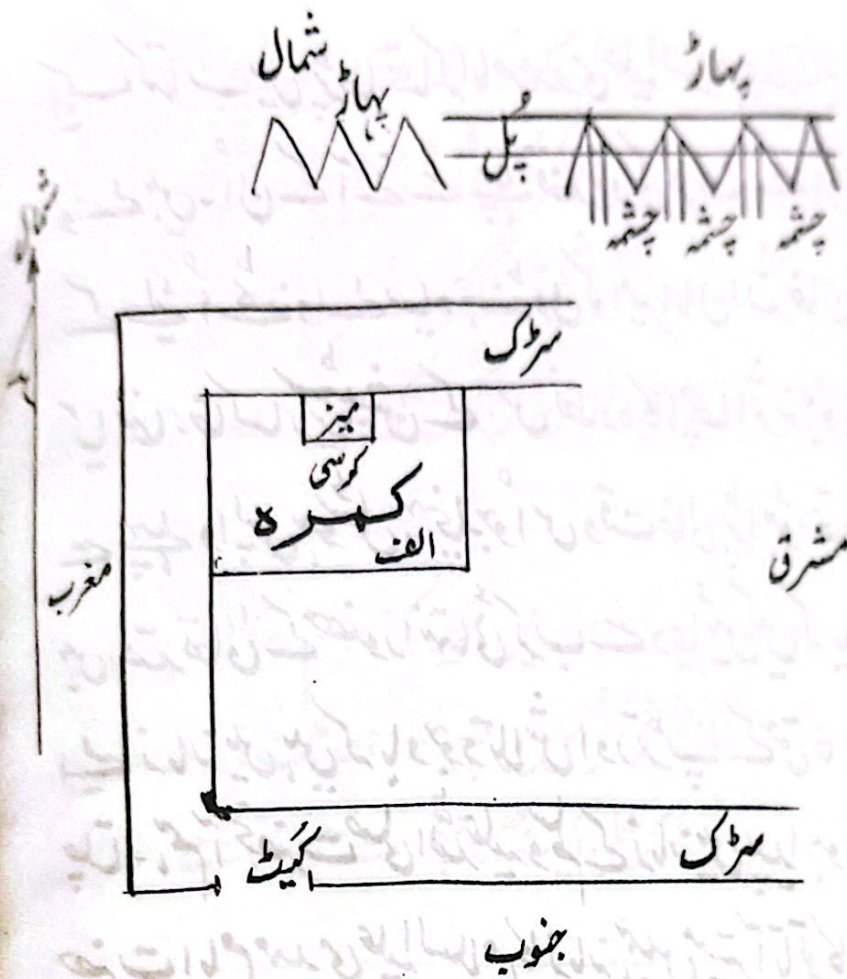
جنوب

مندرجہ بالا نقشہ کے جنوبی طرف گیٹ ہے جیسا کہ بعض راستوں یا
احاطوں کی دیواروں میں لگے ہوتے ہیں۔ خاکسار نے اپنے آپ کو
خواب میں اس گیٹ کے قریب مشرق کی جانب مُنہ کر کے کھڑے
ہوئے پایا۔ اور سامنے سڑک پر دیکھا کہ ایک چھوٹا لڑکا چلا آرہا
ہے۔ اس کے آگے کچھ گائیں اور کچھ بکریاں ہیں جن کو وہ جنوبی سڑک
پر لیے ہوئے خاکسار کی جانب چلا آرہا ہے۔ کبھی کوئی بکری، کبھی
کوئی گائے سڑک کو چھوڑ کر دائیں یا بائیں بھاگ جاتی ہے تو وہ
دَوڑ کر اُسے سڑک پر واپس لاتا ہے اور ساتھ ہی کہتا جاتا ہے کہ

تمہیں چھوڑنے تو نہیں لگا۔ جب چند دفعہ یہ نظارہ میں دیکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں۔ اور ساتھ ہی کہتا ہوں کہ "اتنا چھوٹا لڑکا ہے مگر کتنا اولوالعزم ہے"۔

اسی طرح چلتے چلتے وہ لڑکا میرے قریب آجاتا ہے۔ لیکن اُس وقت وہ گائیں اور بکریاں نظر نہیں آتیں۔ میں نے غور سے لڑکے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے سر پر کچھ نہیں تھا صحت بہت عمدہ تھی۔ اس کی صحت کی حالت دیکھ کر پھر میرے مُنہ سے تعجب کے ساتھ یہ الفاظ نکلتے ہیں "اس کی کتنی عمدہ صحت ہے"۔ پھر خاکسار اس لڑکے سے پُوچھتا ہے کہ تم کس کے بیٹے ہو؟ تو وہ نہایت وقار اور سنجیدگی سے جواب دیتا ہے "مرزا غلام احمد کا"۔ اُس وقت وہ مجھے وقار اور متانت کا مجسّمہ دکھائی دیتا ہے اور مَیں بیساختہ کہتا ہوں "اتنی چھوٹی سی عمر ہے اور کتنا باوقار ہے!" اس کے بعد وہ لڑکا پہاڑ کی طرف چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ میں دکھایا گیا ہے۔ پہاڑ سے چشمے نکل رہے ہیں۔ وہ لڑکا ایک چشمے کے کنارے سے چھلانگ لگا کر پار ہو جاتا ہے۔ جب اُچھلنے لگتا ہے تو قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہے۔ اور اسی طرح آیتیں پڑھتا ہُوا چشموں پر سے کُودتا چلا جاتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار میرے مُنہ سے نکلتا

ہے۔ اس بچہ کی کیسی اعلیٰ تربیت کی گئی ہے کہ ہر حرکت اور
ہر سکون پر قرآن کریم کی آیت پڑھتا ہے۔" اسی طرح وہ
قرآن کریم کی آیات پڑھتا اور چشموں پر سے کودتا ہوا پہاڑ میں غائب
ہوجاتا ہے۔ اس کی کشش مجھے چشموں کی طرف لے جاتی ہے۔ مَیں
وہاں سے کودنا چاہتا ہوں مگر کود نہیں سکتا۔ تب تلاش میں پہاڑ
کے مغرب کی طرف آتا ہوں۔ وہاں پہاڑ پر ایک پل شرقاً غرباً بنا
ہوا ہے۔ اس پُل پر مَیں چڑھ جاتا ہوں۔ جب آگے بڑھتا ہوں تو
پُل پر ایک سپاہی باوردی ٹہلتا ہوا نظر آتا ہے جس کے ہاتھ میں
ایک سونٹی ہے جو قریباً گز بھر لمبی اور ایک دو انگلی کے قریب
موٹی ہے۔ مَیں ڈرتے ڈرتے اُس کی جانب بڑھتا ہوں۔ اور پوچھتا
ہوں کہ یہاں ایک لڑکا آیا ہے؟ وہ ہاتھ سے پہاڑ کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وہ ہے۔ اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ اسی لئے
تو مَیں کھڑا ہوں۔ اِس پر خاکسار لڑکے کی جانب بڑھتا ہے۔ اور
ہمدردانہ جذبہ دل میں محسوس کرتا ہے کہ پہاڑوں میں گڑھے وغیرہ
ہیں، وہ چھوٹا لڑکا کہیں گر نہ جائے۔ آخر اس بچہ کے پاس جا کر خاکسار
کہتا ہے کہ مجھے اپنے گھر لے چلو۔ تب وہ فوراً چل پڑتا ہے۔ اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ہم سڑک پر آ گئے ہیں۔ اُس سڑک پر جو گیٹ کے

موڑ سے شمال کی طرف جاتی ہے۔ یہ سڑک کافی لمبی ہے اور ہم چلتے

چلے جاتے ہیں۔ وہ لڑکا آگے آگے اور خاکسار پیچھے پیچھے۔ حتّٰی کہ چلتے چلتے

ہم نقشہ میں دکھائے گئے کمرہ کے مغربی دروازہ سے کمرہ کے اندر داخل

ہوتے ہیں۔ جونہی خاکسار اندر جاتا ہے تو سامنے شرقی دیوار کے ساتھ

مقام الف پر ایک عورت دکھائی دیتی ہے جو اس لڑکے والدہ ہے۔

اُس کی شکل نہایت خوبصورت ہے اور وہ گوشت پوست کی بنی ہوئی

معلوم نہیں ہوتی۔ کوئی ایسی چیز ہے جو اس جہان میں نہیں ہوتی، جیسے

چینی کی بعض پُتلیاں (مجسّمے) بنائی جاتی ہیں۔ اُس کا جسم اس قسم کی صفائی

اپنے اندر لیئے ہوئے تھا، سفیدی اور سُرخی ملی ہوئی۔ اُسے دیکھ کر

نہایت حیرت ہوتی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ "قرآن کریم میں جو آتا ہے

جنّت میں حُوریں ہوں گی جو موتی اور مرجان کی بنی ہوں گی یہ وہی ہے"

اور اِس خیال کے آتے ہی دل میں اطمینان سا محسوس ہوتا ہے کہ یہی

بات ٹھیک ہے۔ کمرہ کے اندر داخل ہوتے وقت السّلام علیکم کہتا ہوں

اور اُن کی طرف وعلیکم السّلام کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی شمال مغربی

کونے میں پڑی ہوئی میز کے ساتھ رکھی ہوئی کُرسی پر بیٹھنے کے لیئے

مجھے اشارہ کرتے ہیں اور ایک چائے کی پیالی جو ایک پرچ پر

رکھی ہوئی ہے پینے کے لیئے دیتے ہیں۔ خاکسار چائے پی کر اُٹھ کھڑا

ہوتا ہے اور جونہی اُٹھتا ہے تو دیکھتا ہے شمالی دروازہ کے سامنے سڑک ۔ پر ایک انگریز عورت جا رہی ہے اور ایک چھوٹا سا لڑکا بھی اس کے ساتھ ہے ۔ اُسے دیکھ کر خاکسار زور سے السلام علیکم کہتا ہے تاکہ وہ سڑک پر جانے والی انگریز لیڈی بھی سُن لے اور کہے کہ ان کا مذہب کیسا اچھا ہے ۔جب آتے ہیں السّلام علیکم کہتے ہیں ۔ جب مغربی دروازہ سے خاکسار باہر نکلتا ہے تو دُنیا میں شور پڑا ہوا دکھائی دیتا ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ "نیا بادشاہ آگیا ہے" "نیا بادشاہ آگیا ہے ۔ پھر سامنے سے ایک شخص ہمارے ایک اُستاد جن کا نام عبدالقیوم تھا اُن کی شکل پر آتے دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہی حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہیں اور وہی پہلے بادشاہ ہیں جو جانے والے ہیں اور اُن کی جگہ کوئی اَور بادشاہ آنے والے ہیں ۔خاکسار اُن کے چہرہ کی طرف بغور دیکھتا ہے کہ یہ کہیں جانے کی وجہ سے غمگین تو نہیں ۔لیکن ان کے چہرہ پر غم کے آثار نظر نہیں آتے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں آگئے ہیں ۔ اور اُن کے گھر کے دوسرے افراد اُن کے جانے سے کچھ مغموم سے نظر آتے ہیں ۔ خاکسار پھر غور سے اُن کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے کہ کہیں ان کو تو جانے کا غم نہیں ۔ لیکن اُن کے چہرے پر کوئی غم معلوم نہیں ہوتا ۔ بلکہ خوش اور مسرور

نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "نیا بادشاہ آ رہا ہے تو کیا ہوا ویسے تو
ہم ہی ہیں"۔

یہ خواب خاکسار نے ۱۹۲۸ء میں دیکھا۔ اُس وقت میری عمر انیس ۱۹
سال کے قریب تھی اور کوئٹہ میں میٹرک میں تعلیم پاتا تھا۔ اس خواب کو
مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر سکنہ ڈیرہ غازیخان نے مجھ سے ۲۷ جون
۱۹۳۹ء کو حاصل کر کے اپنی کتاب "بشارات رحمانیہ جلد اوّل" میں بار
اوّل ۱۹۳۹ء میں شائع کر دیا۔

یہ خواب جس میں پہاڑی علاقہ دکھایا گیا ہے زیادہ تر ربوہ کے
مقام پر چسپاں ہوتی ہے اور ربوہ کا شہر پہاڑی علاقہ میں پاکستان
بننے کے بعد ۱۹۴۹ء میں معرض وجود میں آیا۔ اور چھوٹا لڑکا حضرت
مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود ثابت ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی
بشارت اور الہام کے مطابق خاص صفات لیکر پیدا ہوئے جن کے
ہاتھ پر ۱۹۲۹ء میں بیعت کر کے خاکسار کو سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت کی
سعادت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

(۵) ایک دفعہ خواب میں دیکھا جیسے کوئی کہتا ہے کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ

آج کل اگر کوئی بدقسمت عورت اپنے گھر سے نکل کھڑی ہوئی تو اُس کا
کوئی ٹھکانہ نہیں۔ سوائے ایک عورت کے۔ وہ عورت چلتی چلی گئی اور
چلتی چلی گئی۔ وہ شہر بشہر اور گاؤں گاؤں پھری اور چلتی چلی گئی۔ وہ ہر
دروازہ اور ہر گھر کے آگے گئی اور ہر آدمی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔
لیکن کسی نے اُس کی بات نہ سُنی۔ وہ نہ تھکی اور نہ ہاری اور چلتی چلی گئی۔
لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے سرہانے ایک پتھر ہے جس دن
یہ عورت اُس پتھر کو ہاتھ لگا دے گی دُنیا میں قیامت برپا ہو جائیگی "۔
خاکسار نے یہ خواب حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ...
کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضور نے تحریر فرمایا "عورت سے مراد جماعت
ہے اور پتھر سے مراد درُود شریف ہے"۔

---

(۶) ایک دفعہ مَیں نے اپنے متعلق خواب میں دیکھا۔ کوئی شخص میری نسبت
کہتا ہے KEEN - OBSERVER (کین آبزرور)۔
(KEEN-OBSERVER) اِس کے معنی ہیں "باریک بین"۔

---

(۷) ایک دفعہ مَیں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا جیسے مَیں لوہے کا
ٹینک ہوں جو ہر طرف سے بند ہوتا ہے۔ اُس کے اندر چھوٹے چھوٹے

سوراخ ہوتے ہیں تاکہ باہر کی چیز نظر آسکے۔ مَیں اِدھر اُدھر بھاگ رہا ہوں اور لوگ بندوق سے فائر کر رہے ہیں لیکن مجھ پر کچھ اثر اُن کی گولیوں کا نہیں ہوتا۔ اُس وقت کوئی شخص کہتا ہے۔

"حصارِ احمدیّت"

الحمد لِلّٰہ اس کے بعد مجھے سندھ اور پنجاب کے مختلف مقامات پر جانے کا موقعہ ملا اور اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی تبلیغ کی توفیق دی۔

---

۸) سندھ میں ایک دفعہ برادرم عبدالحق شاہ کی اہلیہ بعارضہ ٹائیفائڈ سخت بیمار تھی۔ بخار ۲ ماہ تک لمبا چلا گیا اور نہ ٹوٹا۔ کمزوری کے باعث ہر وقت غشی رہتی۔ حالت انتہائی تشویشناک تھی۔ تین ڈاکٹر علاج کر رہے تھے۔ خرچ بہت ہو رہا تھا۔ پردیس کے باعث دل سخت بےچین تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے دعائیں کر رہے تھے۔ صدقہ دینے کو بھی دل چاہتا تھا لیکن اخراجات کی زیادتی کے باعث حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ مریضہ کو محرقہ اسہالی تھا اور اسہال سے افاقہ نہ ہوتا تھا۔ آخری دنوں میں تو یہ حالت تھی کہ اسہال کے بعد اتنی کمزوری معلوم ہوتی تھی کہ بچنے کا آسرا نہ رہتا تھا۔ انہی دنوں خواب میں دیکھا کہ ہمارے چچا سیّد واحد بخش شاہ کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ ہمارے خاندان میں

صدقہ کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ روزانہ ایک مسکین کو جو کھانا ہم کھاتے ہیں اُسی سے اس کو کھلا دیا جاتا ہے۔ نیز خواب میں دیکھا کہ مریضہ کے لیئے مربّہ بھی مفید ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ ایک آدمی کی روٹی لگا دی گئی اور مربّہ بھی منگوا لیا گیا۔ مربّہ بھی کی پہلی ہی خوراک سے اسہال میں افاقہ ہو گیا اور طاقت بحال ہونے لگی آہستہ آہستہ مریضہ بالکل صحت یاب ہو گئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

(۹) اپنی شادی کے متعلق مختلف رشتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے استخارہ کے نتیجہ میں :-

۲۶/۲۷ مئی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب کو خواب میں دیکھا کہ ماموں صاحب نے مجھے اپنی لڑکی کے رشتہ کے لیئے کہا۔ چچا صاحب بھی موجود ہیں۔ مَیں ماموں صاحب کو جواب دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جب ہم آپ کی منّتیں کرتے رہے تو آپ نے کوئی توجہ نہیں کی، اب وقت گزر گیا ہے۔ میرے ہاتھ میں ایک خط ہے جو قادیان سے آیا ہے، وہ مَیں چچا صاحب کو دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ چٹھی جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی صاحبزادی کی طرف سے مجھے لکھی گئی ہے اور اس طرح ہے :-

"پیارے !

آپ کی خاندانی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے رشتے آپ کو بہت سے مل سکتے تھے لیکن چونکہ آپ نے قادیان کو ترجیح دی ہے اس لئے مجھے قبول کریں اور آئندہ میرا ماہوار خرچ مجھے بھیج دیا کریں۔"

یہ خط اِس مفہوم کا ہے کچھ الفاظ کی کمی بیشی ہو تو ہو۔ اُوپر لفظ "پیارے" مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور مَیں دل میں ارادہ کرتا ہوں کہ مَیں اِس کا جواب لکھوں اور پیاری کے لفظ سے خطاب کروں۔ یہ خط دیکھ کر چچا اور ماموں مایوس سے ہو جاتے ہیں اور ماموں صاحب بہت خوشامد اور منّتیں کرتے ہیں۔ اتنے میں ماموں کی لڑکی وہاں سے گزرتی ہے اور مَیں اُونچی آواز سے اُس کو سُناتے ہوئے کہتا ہوں۔ ماموں صاحب! ہم نے بڑی کوشش کی اور آپ سے درخواستیں کیں۔ یہ آپ کا ہی قصور ہے۔ اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس وقت بعض لوگ کہتے ہیں تمہارے ماموں یہ باتیں محض دکھاوے کے طور پر کرتے ہیں۔"

اس کے بعد خاکسار کا رشتہ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم بقاپوری سکنہ قادیان سے قرار پایا اور خواب کے مطابق آئندہ واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری

کا شجرۂ نسب بصورتِ ذیل ہے :-

حافظ سعد اللہ صاحب[۱]

|

محمد سعید صاحب[۲]

|

شیر محمد صاحب

|

غلام رسول صاحب

|

چوہدری بڈھا صاحب

|

صدر الدین صاحب (بیعت ۶-۱۹۰۵ء)

|

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری { پ ۱۸۷۵ء - بیعت ۱۹۰۵ء، وفات ۱۹۶۴ء }

|

مبارکہ بیگم	امۃ الحفیظ بیگم	محمد اسمٰعیل صاحب	محمد اسحٰق صاحب	مبارکہ بیگم صاحبہ	مبارک احمد صاحب
پ ۱۹۱۲ء وفات ۱۹۲۷ء	پ ۱۹۱۷ء اہلیہ عباس علی شاہ	پ ۱۹۲۱ء	پ ۱۹۲۱ء	پ ۱۹۲۸ء	پ ۱۹۳۲ء

---

[۱] حافظ سعد اللہ دربارِ عالمگیری میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں دہلی گئے۔ حافظ صاحب موضع بھڑی پرگنہ حافظ آباد میں ایک رئیس زمیندار تھے۔

[۲] محمد سعید ۱۱۵۶ھ میں بقاپور اپنے ننھیال کی ملکیّت پر آ گئے۔ آپ نے ایک کتاب "ہزاری" ۱۱۶۴ھ میں لکھی۔ اس کے اختتام پر یہ عبارت لکھی ہے :-

"بدست فقیر حقیر محمد سعید عرف جالب تحریر نمود"

(۱۰) ماہ مارچ ۱۹۳۶ء میں خواب میں دیکھا "میری جیب میں ایک کارڈ پڑا ہُوا ہے۔ جب نکالا تو دیکھا کہ اس میں شکنیں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک طرف باریک خط میں کچھ لکھا ہُوا ہے۔ مَیں نے محسوس کیا کہ یہ حصّہ مَیں پڑھ چکا ہوں۔ لیکن دوسرا رُخ اُلٹایا تو معلوم ہُوا کہ یہ حصّہ پڑھا ہی نہیں۔ یہ خط قادیان سے اہلیہ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی طرف سے آیا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا رُخ جو پڑھا ہُوا نہ تھا اُس کے اُوپر دائیں کونہ میں "از عزیز الرحمٰن بیگم" لکھا ہُوا ہے۔ مَیں تعجّب کرتا ہوں کہ اُن کا نام تو حیات بیگم ہے' یہ کون ہیں۔ پھر خیال کرتا ہوں۔ شاید اُن کی لڑکی نے لکھا ہو۔ لیکن تعجّب فرو نہیں ہُوا۔"

حیات بیگم بنت قریشی غلام حسین صاحب اہلیہ حضرت مولوی محمد ابراہیم بقاپوری خاکسار کی خوشدامن ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت دُعاگو اور تہجد گزار خاتون ہیں۔ الحمد للہ۔

---

(۱۱) ۵-۶ فروری ۱۹۳۹ء بمطابق ۱۴/۱۵ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ رات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کی خدمت میں دُعا کے لیے عریضہ لکھا۔

"آخری حصۂ رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیداری میں عجیب ربودگی کی کیفیت پیدا کر دی گئی اور عجیب علوم کھلے۔ اُس کی لاانتہاء قدرت آنکھوں کے سامنے آگئی۔ جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ بہت قریب ہے۔ اس کا علم بے حد وسیع ہے۔ وہ بہت ہی رحیم و کریم ہستی ہے۔ اور اسی حالت میں بہت سی دُعائیں زبان پر جاری ہوئیں جیسے:۔

۱۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰه

۲۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم۔

۳۔ رَبِّ اذْهَبْ عَنِّيَ الرِّجْسَ وَطَهِّرْنِيْ تَطْهِيْراً۔

۴۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْن۔

۵۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْه۔

۶۔ نہ تن رہے نہ رہے جاں نہ یہ سبُو باقی
بس ایک دل میں رہے تیری آرزو باقی

۷۔ میرے ہاتھوں سے جُدا یار کا داماں نہ ہو
میری آنکھوں سے وہ اوجھل کبھی اک آن نہ ہو

(کلامِ محمود)

۸۔ لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

۹۔ کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

۱۰۔ یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمتگزار

(دُرِّثمین)

۱۱۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ جَمِیْعًا لَّکَ۔

۱۲۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا جَمِیْعًا لَّکَ۔

۱۳۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ۔

۱۴۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ہر ایک دُعا بہت تکرار سے بار بار ہوتی تھی۔ اور ایسی صحیح گویا کوئی فصیح

عرب بول رہا ہو۔

نہ زبان میرے قبضہ میں تھی، نہ ہاتھ نہ جسم۔ ہاتھ سینہ پر بندھے ہوئے تھے اور دایاں پاؤں بائیں پاؤں پر۔ اور دُعاؤں کے ساتھ اُن میں بے اختیار حرکت ہوتی تھی۔ دُعاؤں سے قبل خواب کی حالت تھی۔ پھر بیداری بڑھتی چلی گئی اور سارا جسم کسی نامعلوم طاقت کے قبضہ میں تھا۔ پہلی حالت میں ایسا معلوم ہُوا جیسے اللہ تعالےٰ مجھے مشکلات میں سے گزار رہا ہے۔ اور مَیں راضی ہوں۔ اِس میں ایک نظارہ جیسے بیلچہ یا اِس قسم کی کوئی چیز ہے جس کے ذریعہ غالباً بھٹہ میں سے اینٹیں نکال رہا ہوں۔ ایک نظارہ یہ تھا کہ جیسے روٹی اور اُس پر مکھّن۔ اور کہا گیا۔ نہ مکھّن ملے گا نہ روٹی۔

آخری حصہ میں مجھے ہاتھ میں پڑی ہوئی انگوٹھی محسوس کرائی گئی۔ رَبِّ اذْھَبْ عَنِّی الرِّجْسَ کی دُعا پڑھتے وقت دونوں ہاتھ جو سینہ پر تھے سینہ کو بڑے زور کے ساتھ بھینچتے تھے۔"

اِس قسم کی حالت میری زندگی کا پہلا واقعہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

(۱۲) ۱۵/۱۶ جنوری ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب صبح بیدار ہونے سے قبل خواب میں دیکھا۔ جیسے کوئی مجھے کہتا ہے:۔

"زہے قسمت"

اس کے بعد آنکھ کھل گئی طبیعت بہت بشاش تھی۔ صبح کا بہت اچھا منظر تھا۔ آنکھیں ابھی نیند سے بوجھل تھیں۔ اسی حالت میں ذیل کی نظم موزوں ہو گئی :۔

زہے قسمت

۱۔ زہے قسمت سحر ایسی سہانی	زہے قسمت طبیعت کی روانی
۲۔ خیالاتِ مسلسل تو نہیں ہیں	بہا جاتا ہے گویا جُو میں پانی
۳۔ سیاہی پر سپیدی کی یہ یورش	بڑھی آتی ہے پیری پر جوانی
۴۔ یہ اُس عالم سے دُنیا لوٹ آئی	بنی جاتی ہے دُنیا جاودانی
۵۔ کچھ ایسی نیند و بیداری ملی ہیں	ملا ہو جس طرح باقی میں فانی
۶۔ زہے قسمت عباسِ دلشکستہ	رہے جاتے ہیں پھر بہزاد و مانی
۷۔ زہے قسمت سحر ایسی سُہانی	زہے قسمت سُنا اُن کی زبانی

۱۳) $\frac{11}{12}$ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق $\frac{15}{16}$ شعبان ۱۳۶۸ھ کی درمیانی شب کو خواب میں دیکھا۔ جیسے کوئی بڑا شہر ہے۔ اس میں کسی جلسہ کا انتظام ہے۔ ایک نوجوان سید جو اعلیٰ عہدہ دار بھی ہے اُس نے جلسہ میں بہت عمدہ تقریر کی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کے متعلق

تھی اور ائمہ کے بارہ میں تھی۔ اور دلائل کے ساتھ آخر میں انہوں نے مشکوٰۃ کا حوالہ دیا۔ اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ چار کو تو تم بھی مانتے ہو۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسا کہ ایک چوک ہے۔ اس پر ایک پختہ عالیشان بلڈنگ (عمارت) ہے۔ اُس کے متعلق مختلف لوگ کوشش کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدی اپنے لئے یہ بلڈنگ مانگتے ہیں لیکن وہ بلڈنگ مالکوں نے شیعوں کو دے دی۔ معلوم ہوتا ہے اس چوک میں جیسے محرّم کے موقعہ پر مختلف اطراف سے آ کر اکٹھ ہوتا ہے ایسا ہونے لگا ہے۔ خاکسار بعض اشعار پڑھتا ہوا ایک طرف جا رہا ہے۔ اُن میں سے ایک مصرعہ یہ ہے ؎

"فضا کو سازگار کر"

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کسی نے میرے متعلق کہا کہ شیعہ ہو گیا ہے میں نے کہا ابھی تو نہیں ہوا۔ اپنی اہلیہ کو بھی ایک اونچے مکان پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور اُس کو بتایا کہ اِس چوک میں جلسہ ہو گا۔

---

(۱۴) ۲۶/۲۷ جولائی ۱۹۴۹ء آج ۳۰ رمضان المبارک اور عید کی درمیانی رات کو پچھلے حصّہ شب میں دیکھا۔ جیسے ایک گھوڑی پر سوار ہوں۔ ایک شہر میں سے گزر رہا ہوں جس کی پختہ گلیاں ہیں۔ اس سے گزرتے ہوئے

ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے بعض لوگوں کو میرا اس طرح گزرنا ناگوار
معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ موافق بھی نظر آ رہے ہیں اُن میں سے
ایک بتاتا ہے کہ اِس گلی کے پچھلے اور اگلے سروں پر ایک دُکاندار
مخالف ہے۔ اِسی طرح سواری کی حالت میں خاکسار اُن کو
دیکھنے چلا جاتا ہے۔ پھر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شہر سے باہر
ایک کھُلے میدان کی طرف جا رہا ہوں۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی
جمع ہیں۔ گویا کوئی میٹنگ ہونے والی ہے۔ اس میں ایک شخص
چندہ وصول کرنے کے لیئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور خاکسار کو کہا گیا کہ
آپ بھی ساتھ رہیں۔ پھر مجمع سے ہم نے حصولِ چندہ کا کام شروع
کر دیا۔ پھر ایسا معلوم ہوا کہ مَیں نے نماز شروع کر دی اور نماز
پڑھنے لگ گیا۔ آخری دو نوافل میں رُخ مجمع سے ہٹا کر دوسری طرف
کر لیا۔ نماز کے دَوران ہی ایک نوجوان نے دوسرے ایک شخص
سے سوال دریافت کرنے شروع کر دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
جیسے اُس نوجوان کی معلومات بہت کم ہیں۔ اور لوگ اسکی بات
سُن کر ہنس دیتے ہیں۔ اِسی طرح اُس نوجوان نے ایک شخص سے
سوال کیا۔ یہ محمدؐ رسولُ اللہ کیا ہے؟ اس پر ایک دوسرے شخص نے
آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ کیا پوچھا اور ہنسنے لگا۔ نوجوان نے اپنا سوال

دُہرایا۔ لیکن اُس شخص نے پھر ہنس کر کہا۔ پہلے سوالوں کی طرح یہ بھی
کوئی بے وقوفی کا سوال ہو گا۔ اتنے میں خاکسار نے نماز سے سلام
پھیرا اور نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے آیا اور قرآن شریف
ہاتھ میں لے کر کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں
ایسا ہی خیال ہے۔ گویا پختہ یقین نہیں۔ پھر مَیں نے قرآن شریف کو
اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں پیش کرنا شروع کیا۔ اور اس سلسلہ
بتایا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔
مجمع کے لوگ بھی ہماری گفتگو کی جانب متوجہ رہے۔"

تفہیم:۔ شہر میں ہر قسم کے لوگوں کی کثرت کے باعث دینی
کاموں میں مخالفت کا امکان رہتا ہے۔ ایسے کام باہر کی فضا میں
یکسوئی سے انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف سے پہلے خدا تعالیٰ
سے تعارف پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا بہترین ذریعہ
قرآن کریم کو پیش کرنا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت اور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گواہ ہے۔ دوسرے ذرائع
اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۱۵) ۲۵/۲۶ ستمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے میرے ساتھ دو اور
ساتھی ہیں اور ہم کسی مقدمہ میں ماخوذ ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی کی
جُوتی کے ذریعے اُس کے کسی جُرم کی شہادت بہم پہنچنے کا خطرہ ہے۔
اس کی وجہ سے مَیں کچھ پریشان ہوں۔ اِسی حالتِ خواب میں محسوس ہُوا
جیسے مَیں خواب دیکھ رہا ہوں اور اپنے ساتھیوں کو تسلّی دے رہا ہوں
اور اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ ہماری باجری کی
فصل بہت اُونچی اور عمدہ اور سرسبز ہے۔ اس میں ایک لڑکی امۃ الکریم
کھڑی ہے۔ اِس خواب کو بیان کر کے خواب میں ہی اس کی تعبیر بتا رہا
ہوں کہ اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اور اس کی صفتِ کریم
سے سب مشکلیں حل ہو جائیں گی۔"

الحمد للہ علیٰ ذالک۔

صبح یہ خواب، خاکسار نے اپنے گھر میں بیان کیا تو خاکسار کی اہلیہ
(امۃ الحفیظ) نے بتایا کہ اُس نے بھی اُسی رات خواب دیکھا۔ جو درج
ذیل ہے:۔

"اُس نے دیکھا۔ جیسے یہ خاکسار نیند میں سو رہا ہے اور خاکسار کی
اہلیہ پاس کھڑی ہے۔ خاکسار کے سینہ سے اُن دعاؤں کی آواز صاف
سُنائی دے رہی ہے جو خاکسار کے سینہ سے نکل رہی ہیں۔ اور یہ حیران

ہو رہی ہیں کہ یہ آواز کیسے سُنائی دے رہی ہے۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ یہ ان کی سب دُعائیں قبول ہو رہی ہیں کیونکہ سینے کے اندر سے نکل رہی ہیں۔ اس پر میں اور بھی حیران ہو کر کہتی ہوں کہ باہر سے کون بول رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔ تب وہی آواز پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ اللہ۔ (یعنی یہ آواز اللہ تعالیٰ کی ہے)"۔

الحمد للّٰہ۔ ثم الحمد للّٰہ۔ وھو الغفور الودود ذوالعرش المجید۔ فعّال لّما یُرید۔

---

(۱۶) ۱۰/۱۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب خواب میں دیکھا کسی ضروری کام سے ہم گھوڑیوں پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ ایک شہر میں پہنچتے ہیں ابھی صبح کا سویرا ہے۔ ایک احاطہ میں گھوڑیوں سے اُتر کر داخل ہوئے۔ سیّد کوڑے شاہ (ہمارے ایک عزیز) بھی ساتھ ہیں۔ اور وہ یہ آیت پڑھ رہے ہیں اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ میں بھی اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی پڑھتا ہوں۔ پاس ہی ایک اور آدمی کھڑا ہے وہ گویا درستی کے طور پر کہتا ہے۔ اَعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔

(۱) ۱۹/۲۰ جنوری ۱۹۵۰ء کی درمیانی رات کو خواب میں دیکھا۔ جیسے ہمارے مکان عمرکوٹ (ڈیرہ غازی خان) کے شرقی جانب دانش شاہ سے ہم نے زمین خریدی ہے۔ کچھ دیر بعد دیکھا۔ جیسے زمین میں کنواں چل رہا ہے۔ اُس سے جنوبی سمت کو ایک اور کنواں ہے وہ بھی ہمارا ہی ہے اور چل رہا ہے۔ اُس وقت ایک آواز آئی:-

”بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“

اسی طرح دیکھا کہ پانی کا بڑا طوفان آیا ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔ ہمارا مکان ایک ٹیلہ پر ہے وہ بچا ہوا ہے۔ ہمارے مکان کے جنوب مشرق کی طرف ایک مسجد ہے اُس کے گرد بھی پانی ہے۔ اسی حالت میں مغربی جانب سے ایک عورت کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ بولتی ہوئی ہماری سمت آئی ہے۔ ایک دیوار پر دو آدمی چڑھے ہوئے ہیں۔ ایک ہماری مخالف پارٹی کا ہے۔ مَیں اس کو پہچانتا ہوں۔ عورت کے آنے پر مَیں نے کہا کہ ”پانی بڑھ رہا ہے“ تبھی چلّا رہی ہے لیکن وہ شخص بُرے معنوں میں پانی کے لفظ کو استعمال کر کے اُس پر طنز کرتا ہے۔ مَیں اُس کو جواب میں سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ کیا تم یہ لفظ اپنے لیے استعمال کرنا گوارا کرو گے؟ وہ خاموش ہو جاتا ہے۔“ اسی طرح کچھ اور نظارے

دیکھے جو یاد نہیں رہے لیکن اچھے تھے۔ جب بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر کیا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہم ہر طرح کمزور ہیں۔

(۱۷/۸) پھر کچھ دیر بعد دیکھا" جیسے قرآن مجید کی آیت "وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ" (اور زمین میں ایک دوسرے کے پاس کئی قطعات ہیں۔ پارہ ۱۳۔ رکوع ۷) پڑھ رہا ہوں۔ اس کی تشریح میں کہہ رہا ہوں کہ زمین کے قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَات سے مراد مختلف اقسام اور خاصیت کی زمینیں ہیں۔ جیسے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی زمین کا حصہ ہیں۔ ان کے اندر سے مختلف معدنیات، لعل و جواہر وغیرہ نکلتے ہیں۔ اسی طرح شور زمین میں بعض اقسام کی اجناس پیدا ہوتی ہیں اور دوسری قسم کی زمین میں دوسری قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو شور زمین میں نہیں ہو سکتیں۔"

---

(۱۸) ۲۰/۲۱ فروری ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اللہ دتہ نامی مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں قینچی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے اُس کے ساتھ کسی اَور شخص پر بھی حملہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اَور لوگ بھی شامل ہیں۔ ان کی

سازش کی اطلاع مجھے ہو جاتی ہے۔ بندوق میرے پاس ہے جیسے
مَیں کسی مسجد میں ہوں اور نماز پڑھ رہا ہوں۔ مَیں نے اپنے ایک ساتھی
کو پہرہ پر کھڑا کر دیا ہے۔ مخالفین میں سے ایک دو آدمی آکر ہمیں
دیکھنے کے بعد لوٹ جاتے ہیں۔ پھر ہم باہر نکلتے ہیں تو اللہ دتہ
مذکور قینچی سے حملہ کرنا چاہتا ہے۔ خاکسار دوسرے ساتھیوں کو کہتا
ہے کہ اس کو آنے دو۔ اور پھر اُس کو پکڑ کر قینچی چھین لیتا ہے۔
اُس کے پانچ بھائی ہیں۔ وہ شخص بڑے غصہ سے باتیں کرتا ہے اور
کہتا ہے کہ ہم تین بھائی ہیں۔ اور فخر کرتا ہے کہ ہم ایسے ہیں اور
ایسے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ ہمارے والد نے ہمیں علی کا لفظ عین
کی زبر سے پڑھنا سکھایا ہے اِس لیئے ہم مغلوب نہیں ہوتے۔ مَیں
اُس کے ساتھ نرمی سے بات کرتا ہوں۔ میرے ساتھی چاہتے ہیں
کہ اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ اِس بات سے وہ گھبراتا
ہے اور منتیں کرتا ہے اور آئندہ کے لیئے شرارت نہ کرنے کا وعدہ
کرتا ہے۔ چنانچہ مَیں اُس کو معاف کر دیتا ہوں۔ اور قینچی اُس کو
دے دیتا ہوں۔ پھر جیسے مَیں اس جگہ سے اُن مخالفین کے مکان کی
طرف کسی کام سے جاتا ہوں۔ وہاں کچھ گدیلے بچھے ہوئے ہیں جیسے
نماز کے لیئے بچھے ہوں۔ مکان خالی پڑا ہے۔ اتنے میں مذکورہ شخص کو

علم ہو جاتا ہے اور وہ بھاگتا ہوا آتا ہے۔ مَیں اپنی حفاظت
کے لیئے کوئی چیز احتیاطاً اُٹھاتا ہوں اور ساتھ ہی کہتا ہوں کہ
اگرچہ تم نے جھگڑنے کا وعدہ کیا ہے پھر بھی احتیاطاً میں نے
چیزیں اُٹھائی ہیں۔ وہ شخص آگے بڑھ کر نیچے پڑا ہوا ایک پتھر
اُٹھاتا ہے۔ اُس وقت ایک شخص شیخ محمد اسمٰعیل پاس ہی کھڑا نظر
آتا ہے۔ وہ اشارہ سے مجھے بتاتا ہے کہ اس کی نیت درست
نہیں۔ مَیں جلدی سے اُس شخص کو اُسی حالت میں اُوپر سے پکڑ کر
پتھر والے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہوں اور وہ اچھی طرح میری گرفت
میں آجاتا ہے۔ اگرچہ وہ غصّہ کی حالت میں ہے لیکن مجھ سے
کمزور ہے۔ میرا ایک ہاتھ خالی ہے اس میں کاغذ ہے۔ ایک
اور نوجوان شخص دَوڑتا ہوا آتا ہے اور میرے کاغذ والے ہاتھ
کو پکڑ کر کہتا ہے کہ اس کاغذ کو چھوڑ دو۔ مَیں کہتا ہوں اچھا یہ
بھی میرا ہاتھ چُھڑوا رہا ہے اور کچھ گھبراتا ہوں۔" اِسی حالت
میں بیدار ہو جاتا ہوں۔ اُس وقت مَیں بائیں کروٹ لیٹا ہوا تھا
اُٹھ کر نماز تہجّد ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرنے کی توفیق
ملی۔ اللہ تعالیٰ بہتری کرے گا۔ انشاء اللہ۔ کُن مّعنا یا حبیبنا
حیث ما کنّا ولا تکلنا الیٰ غیرك طرفة عین۔

(۱۹) ۱۹/۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء کی درمیانی رات کو دیکھا جیسے کسی لڑائی کی
تیاری ہو رہی ہے۔ ہم ایک اونچی جگہ پر ایک بڑی بلڈنگ میں ہیں
بچے بھی ساتھ ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے
مشرق اور جنوب کی طرف لڑائی ہو رہی ہے اور دشمن اسی طرف
ہے۔ دشمن زیادہ تعداد میں ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ خطرہ زیادہ
ہے۔ لوگ بہت گھبرا رہے ہیں اور ہمیں بھی تشویش ہے کہ بچوں
کا کیا ہوگا۔ پھر ایسا سننے میں آیا جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
بھی دشمن سے لڑنے کے لئے جنوب مشرق کی طرف گئے ہیں۔
اُن کی ہیبت سے دشمن بہت مرعوب ہیں۔ اس کے باوجود
دشمن زیادہ تعداد میں ہے۔ اس لئے ہمیں شکست کا خطرہ ہے۔
پھر ایسا نظر آتا ہے جیسا شمال مشرق کی طرف سے لوگ دوڑے
چلے آ رہے ہیں۔ اُن کے تعاقب میں کچھ سکھ ہیں۔
جس بلند جگہ پر ہم ہیں وہ لوگ گھبرا کر دوڑنا شروع کر دیتے
ہیں۔ میں کہتا ہوں دوڑنا کہاں ہے۔ ہر طرف دشمن ہیں۔ اس
طرح منتشر ہو کر بچوں کی حفاظت کس طرح ہو سکے گی۔ اس لئے
صبر سے بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد جیسے حالات بہتر ہو گئے۔
ہماری ضائع شدہ چیزیں واپس آنے لگیں۔ تمام مال مویشی

آ گئے۔ میرا ایک گھوڑا باقی ہے۔ اُس کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ کوئی شخص کہتا ہے وہ بھی آجائے گا۔ اور کہا کہ فلاں شخص پر سوار ہو کر گیا ہے۔"

(واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹۵۳ء ۔ ۱۹۶۵ء ۔ ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۷۴ء میں خطرہ کے حالات پیدا ہوئے)۔

---

(۲۰) ۶/۷ مارچ ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ میں ایک سڑک پر چلا جا رہا ہوں۔ راستہ میں ایک واقف شخص کی بیوی ملی جس نے برقع پہنا ہوا ہے۔ میں نے برقع میں اُس کو پہچان لیا۔ اور پوچھا کہ یہاں کس طرح آگئی ہے؟ جس طرح کسی مہمان کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ میں اسی طرح ہمدردی اور اکرام سے بولتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ ہمارا گھر نزدیک ہی ہے۔ چلو۔ وہ اپنے چہرے نقاب اُلٹ دیتی ہے اور بہت ممنون دکھائی دیتی ہے۔ پھر ہم دونوں گھر کی طرف چل پڑتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہے کہ اُسکے خاوند نے اُس پر بُرائی کا الزام لگایا ہے اور وہ گھر چھوڑ کر چلی آئی ہے۔ اُس وقت ایک شخص شیر محمد نام کا دکھائی دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کے سامنے بات نہ کرتی۔ کیونکہ وہ اُسکے

خاوند کی پارٹی کا آدمی ہے۔ اسی طرح ہم گھر پر آتے ہیں۔ مَیں اپنی اہلیہ کو اس کے متعلق بتاتا ہوں۔ اور جیسے خدا تعالیٰ کے احسان پر نظر ہے کہ یہی لوگ پہلے ہماری مخالفت کرتے تھے دیکھو ان کا کیا حال ہؤا ہے۔ کچھ اللہ تعالیٰ کے احسان پر نظر کرکے اور کچھ اُن کی تکلیف کا خیال کرکے میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ پھر نظارہ تبدیل ہو جاتا ہے اور اُس کے خاوند کو مَیں دیکھتا ہوں۔ اچانک ملتا ہے اور کچھ ساتھی بھی اُس کے ساتھ ہیں۔

اُس سے دریافت کرنے پر معلوم ہؤا کہ اُس کے دو بچے بھی ساتھ ہی ہیں۔ مَیں اُن کو دیکھ کر پہچانتا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کو بکلّی طرح چھوڑ کر آگئے ہو کیونکہ سامان اور بچے بھی ساتھ ہی لے آئے ہو۔ وہ ہاں کہتا ہے لیکن کہتا ہے کچھ کتابیں بھی وہیں ہیں۔ پھر اُن کے لیے چارپائیاں ڈھونڈنے کے لیے بازار کی طرف جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کسی بازار میں سے گزر رہا ہوں۔ چوہدری رشید احمد بھی ساتھ ہیں۔ ایک جگہ اُن کے رشتہ دار کی دُکان آتی ہے۔ اُس کو پیغام دینے کے لیے وہ مجھے کہتے ہیں۔ مَیں اُس دُکان کے اندر

جاتا ہوں تو وہ شخص جیسے کھانا برتنوں میں ڈال رہا ہے۔ اس
کا بیٹا بھی وہیں ہے۔ میرے جانے پر وہ آہستہ سے اپنے بڑے
کو کہتا ہے کہ یہ کھانے کے لئے آتے ہیں۔ لیکن میں انکار کر دیتا
ہوں اور آگے چلا جاتا ہوں۔
پھر نظارہ تبدیل ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ
آپ سے راضی ہو) بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔
میں ایک کتاب سے کچھ پڑھتا ہوں اور لفظ "ماموں" اونچی آواز سے
کہتا ہوں۔ حضرت صاحب دل لگی کے طور پر کہتے ہیں۔ ہمارے
ماموں کا نام نہ لو۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ یہاں لکھا ہوا جو
ہے۔ پھر کوئی عجیب سا لفظ پڑھ کر حضرت صاحب ہنستے ہیں۔
میں چپ رہتا ہوں۔ پھر دیکھا کہ کوئی سرکاری اعلان ہوا ہے
کہ فلاں چیزیں رکھنے کی ممانعت ہے۔ ان کو جلا دیا جائے۔
دور کہیں ایک جگہ جلائی جا رہی ہیں۔ میری دو کتابیں ہوائی جہاز
کے ذریعے پھینکی جاتی ہیں۔ جو مجھے ملتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ قلعے اڑ اڑ کر ہمارے سروں کے اوپر سے بلندی پر گزر رہے
ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو الہ دین کے چراغ والی بات ہے۔"

تفہیم :- انسان بعض اوقات اپنی تدبیروں اور چالاکیوں پر بھروسہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو بھول جاتا۔ دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا لیکن انجام کار پشیمان ہوتا ہے کیونکہ نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود (اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو) نے فرمایا ؎

اے عقل و ہوش والو یہ عبرت کا ہے مقام

چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہوویں کام

نیز قلعے اُڑ اُڑ کر آنے کا نظارہ تو ہم نے ربوہ کی تعمیر میں دیکھا۔ پہلے چٹیل میدان اور بنجر زمین تھی۔ اس میں پہلے خیمے لگائے گئے۔ پھر کچّے مکان بنے۔ پھر مکان پختہ ہوئے اور ہمارے دیکھتے دیکھتے عالیشان کوٹھیاں بن گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲۱) ۷ مارچ ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو دیکھا "ہم ایک ایسی جگہ ہیں جیسے عجائب گھر ہوتا ہے۔ آگے جاکر معلوم ہوا کہ اس جگہ کچھ مقبرے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی ہے۔ اور قبریں بھی پاس ہی ہیں۔ بہت سے لوگ زیارت کے لئے آجا رہے ہیں۔ ان قبروں کے جنوب میں احمدیہ جماعت کے کچھ مقام ہیں اور

اُن کے فوٹو آویزاں ہیں۔ مَیں اُن قبور کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگ رہا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن نظر نہیں آتی۔ اسی طرح پھرتے پھرتے باہر چلا جاتا ہوں کیونکہ حضور نبی کریمؐ کی قبر کی تلاش ہے۔

اِس دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دوسری قبروں سے مشرق کی طرف نظر آتی ہے۔ جیسے یہ ہندوستان میں ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی وجہ سے اِس جگہ آ کر پناہ لی ہے اور یہ قبور صرف قبروں کے نشان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک اِس جگہ نہیں۔ وہ وہیں عرب والے مقبرہ میں ہے۔ اِس جگہ سے مَیں باہر نکلتا ہوں تو مقبرہ کے کچھ منتظم باہر کسی کام میں مشغول نظر آتے ہیں۔ جیسے جھنڈے وغیرہ گاڑے جاتے ہیں۔ آگے ایک مسجد ہے۔ اُس کے پاس سے ہو کر مَیں گھر کی جانب واپس جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے ایک آواز میرے کان میں پڑی کہ جھنڈے اُوپر کا کلس جو چاندی کا ہے ٹوٹ کر گرا ہے اور مسجد کے پاس والی ندی میں گر گیا ہے۔ جب مَیں آگے بڑھا تو دیکھا کہ مسجد کے پاس ایک نہر بہہ رہی ہے۔ مَیں نے اپنے سامنے ندی میں ہاتھ ڈالا تو کلس میرے

ہاتھ میں آگیا۔ مَیں نے باہر نکالا تو خالص چاندی کا سفید چمکتا ہُوا
کلس تھا۔ اس کی شکل اِس تصویر کی طرح تھی۔ اس کو
ہاتھ میں لے کر مَیں نے بلند کیا اور دُور تلاش کرنے والے
لوگوں نے اُس کو دیکھا اور میرے پاس آگئے۔ اور تعجب سے
پُوچھنے لگے تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ یہ گُم ہوگیا تھا؟ مَیں نے جواب
دیا کہ مَیں نے کسی کو یہ کہتے سُنا تھا۔"

الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اِس جگہ اگر مَیں حضرت مسیح موعود
(اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو) کا یہ شعر پڑھ دوں تو بے محل
نہ ہوگا ؎

شکرِ للّٰہ مِل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل
کیا ہُوا گر قوم کا دل سنگِ خارا ہوگیا

اپنے گاؤں میں اور اپنے خاندان میں خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے
سب سے پہلے احمدیت کو قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ الحمد للہ۔

---

۲) نصف مارچ ۱۹۵۰ء کے قریب خواب میں ایسا معلوم ہُوا کہ مجھے
کوئی شخص امتحاناً آیت فِیْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ پڑھنے کو کہتا ہے
مَیں اس آیت کو ٹھہر ٹھہر کر بہت صحت اور درستی کے ساتھ پڑھتا

ہوں۔ اس آیت کے بعد یہ آیت پڑھتا ہوں۔ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔

---

(۲۳) ۳۰/۳۱ مارچ ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے والد صاحب مرحوم ہیں اور دوسرے نکاح کی تیاری کر رہے ہیں۔ پھر ایسی آواز آتی ہے کہ اچھی طرح استخارہ کر کے یہ کام کرنا چاہیئے۔ کہیں تکلیف نہ ہو۔

---

(۲۴) ۲/۳ مئی ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ حضرت عمو صاحب سیّد واحد بخش شاہ کہیں جانے کے لیئے تیار ہیں۔ پاس ہی ایک بگولہ سا ہے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں۔ یہ مجھے بلانے آیا ہے۔ اور پھر جیسے رخصت ہوتے ہوتے ہمدردی سے آبدیدہ نظر آتے ہیں۔ اور میری سادگی پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دُنیا بہت چالاک و مکّار ہے۔ مَیں بھی از راہِ محبّت عمو صاحب کی داڑھی اور پیشانی کو چُوم رہا ہوں اور جواباً کہتا ہوں:-

"کوئی پرواہ نہیں۔ خدا تو ہے نا؟"

---

(۲۵) مئی ۱۹۵۰ء جب گڑھی سادات تحصیل کشمور سندھ کے رشتہ داروں نے تہذیب الحسن ولد فضل حسین شاہ (جو خاکسار کے چچازاد بھائی ہیں) کو رشتہ دینے سے انکار کیا اور انہوں نے مقدمہ دائر کیا۔ اور اس کام کے لیے برادرم عبدالحق شاہ، چچازاد فضل حسین شاہ اور ماموں زاد منظور حسین شاہ روانہ ہوگئے تو بہت فکر تھا کہ مقدمہ کا کیا بنے گا۔ نیز اُس علاقہ میں یہ اکیلے تھے۔ اس حالت میں خاکسار اور عمولیصاحب مہمان خانہ میں آمنے سامنے علیحدہ علیحدہ چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ خاکسار پر ذرا سی غنودگی طاری ہوئی اور دیکھا کہ میں تہذیب الحسن کو بُلا رہا ہوں۔ اور بجائے تہذیب کہنے کے مَا اشتجیب۔ مَا اشتجیب کہہ کر بُلاتا ہوں۔ اُسی وقت اس کا ذکر چچا صاحب سے کر دیا اور بتایا کہ اس سلسلہ میں ہماری دُعائیں قبول ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الحمد للہ۔

---

(۲۶) جون ۱۹۵۰ء۔ خاکسار نے اپنے ماموں زاد بھائی سیّد منظور حسین شاہ کو دیکھا۔ جیسے اُس نے نئی جُوتیاں پاؤں میں ڈالی ہوئی ہیں۔

---

(۲۷) جون ۱۹۵۰ء۔ اپنے چچازاد بھائی فضل حسین شاہ کو دیکھا۔ اُس نے ایک بڑے سیاہ سانپ کو مارا ہے اور اُسے اِردگرد چکر دے کر

پھرا رہا ہے۔ اُس سے خون بہہ رہا ہے۔ اس طرح ایک قطرہ میرے کُرتہ پر گر گیا۔ خاکسار اُس پر ناراض ہو کر کہتا ہے۔ مار کر اس طرح پھرانے کا کیا فائدہ ؟

---

(۲۸) ۱۴/۱۵ اکتوبر ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے ہم باہر کسی سفر میں ہیں۔ میرا ساتھی رمضان بھی ساتھ ہی ہے۔ ایک سڑک جو شمالاً جنوباً جاتی ہے۔ اس کے مغرب کی طرف ایک دُکان ہے۔ ہم وہیں آکر ٹھہرے ہیں۔ گرمیوں کا موسم ہے اور رات کا وقت۔ میرے ساتھیوں نے دو تین چارپائیاں باہر دُکان کے سامنے نکالی ہوئی ہیں۔ مَیں کہیں باہر سے آتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اس جگہ تقریریں ہو رہی ہیں۔ اور شیعہ مولوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلبیت کے متعلق بیان کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد تقاریر ختم ہو جاتی ہیں۔ اور جیسے سونے کی تیاری ہو رہی ہے۔ دو اور مسافر باہر سے آئے ہیں۔ ایک مجھے کہتا ہے کہ تھوڑے سے پیسے میرے پاس ہیں وہ اندر رکھنا چاہتا ہوں۔ میرے دِل میں اُس کے اجنبی ہونے کے باعث کچھ خوف محسوس ہوتا ہے۔ اُس سے پوچھتا ہوں کہ کتنے پیسے ہیں؟ وہ

کہتا ہے کچھ آنے ہیں۔ میں جواباً کہتا ہوں۔ اتنی تھوڑی سی رقم اندر رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ دھوتی یا چادر کے پلّو سے باندھ لو۔ اور اس کے کپڑے کو پکڑ کر بتاتا ہوں کہ اس طرح باندھ لو۔ میرا ایک اور ساتھی کہتا ہے کہ چادر کے پلڑے میں لپیٹ کر باندھ لو۔ جیسے عموماً دیہاتی کمر کے ساتھ باندھ لیتے ہیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگتا ہے تو معلوم ہوتا ہے اُس کے پاس بہت سے روپے کمر میں بندھے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے۔ میرے اور روپے بھی اندر ایک برتن میں رکھے ہیں اس میں سے آٹھ آنے لینے ہیں۔ چنانچہ وہ اندر چلا جاتا ہے۔ میں ساتھیوں کو کہتا ہوں کہ چارپائیاں تو اب تھوڑی ہیں اندر سے تخت پوش بھی نکال لو۔ اتنے میں دو اور آدمی آجاتے ہیں۔ اُس وقت میں نماز کے لئے وضو کر رہا ہوں۔ ایک تو باوردی پولیس افسر ہے اور دوسرا سادہ کپڑوں میں کوئی سپاہی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ یہاں کوئی جلسہ وغیرہ ہونا تھا۔ میں کہتا ہوں۔ ہاں کچھ تقریریں کی گئی ہیں۔ اور اب تو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ سپاہی اپنے افسر کو پشتو میں کہتا ہے اس لئے کہ دوسرے نہ سمجھ لیں کہ "ہغہ شان نہ دسے کہ خلق ویلے او"۔ یعنی اُس طرح نہیں جیسے لوگوں نے بیان کیا تھا۔ اس کی یہ بات میں سمجھ لیتا ہوں لیکن وہ کوئی اور بات

نہیں کرتے ۔ جیسے اُن کی تسلی ہو گئی ۔ مَیں اُسی طرح وضو کر رہا ہوں
اور پاؤں دھو رہا ہوں کہ کچھ اَور آدمی آ جاتے ہیں ۔ اُن میں
ایک احمدی مولوی ہے ۔ لوگ کہتے ہیں ۔ یہ صاحبزادہ صاحب ہیں ۔
یعنی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے لڑکے ۔ وہ میرے ساتھ
کچھ باتیں کرتے ہیں ۔ جو لوگ بیٹھے ہیں اُن میں کچھ گفتگو شروع ہو جاتی
ہے اور یہ گفتگو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور اہلبیت
کے متعلق ہے ۔ ایک مولوی صاحب جو سڑک پر پڑی ہوئی کرسی پر
بیٹھے ہیں اور اُنہوں نے اچھا سُوٹ (لباس) پہنا ہُوا ہے ۔
اور بالکل سفید داڑھی ہے ۔ کہہ رہے ہیں کہ ان کا ذکر ہمیں کہیں قرآن
میں دکھا دو ۔ اور بڑی تحدّی کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ ان کا ذکر
کسی جگہ قرآن میں نہیں ۔ سورۃ الحمد سے لیکر والنّاس تک ۔ اِس
پر خاکسار وضو کرتا ہُوا اُٹھ کر آگے بڑھ آتا ہے ۔ اُس وقت وہ
مولوی صاحب سفید داڑھی والے کرسی پر بیٹھے نظر آتے ہیں جن کی
پہلے آواز سُنائی دے رہی تھی ۔ مَیں اُونچی آواز سے جوش کی حالت
میں کہتا ہوں ۔ سارا قرآن تو کیا اِسی سورۃ الحمد میں مَیں نبی کریمؐ
کے اہلبیت کا ذکر دکھا دیتا ہوں ۔ اور پھر کہتا ہوں کہ الحمد کو
نماز میں جب نبی کریمؐ پڑھتے ہوں گے تو کیا یہ کہتے ہوں گے کہ اے

خدا مجھے تو نعمتیں دینا لیکن میرے گھر والوں کو نہ دینا۔ اے خدا مجھے تو
نعمتیں دینا لیکن میرے بچّوں کو نہ دینا۔ دوسرے لوگوں کو دینا۔ محمّد
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اُن کے اپنے خاندان اور بچّوں کو کس طرح جُدا
کیا جا سکتا ہے۔ جب محمّدؐ کہا جائے تو اس میں محمّدؐ بمع اپنے گھر والوں
اور بچّوں کے مراد ہوتے ہیں۔ میری اِس دلیل کا بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔
وہ مولوی خاموش رہتا ہے اور دوسرے حاضرین جوش میں آکر اُس سے
بولنے لگتے ہیں۔ خاکسار اُن کو چُپ کراتا ہے کہ غصّہ نہیں کرنا چاہیئے۔
مَیں غصّہ کی وجہ سے زور سے نہیں بولا تھا بلکہ مجھے اِس بات پر جوش آیا
تھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے بچّوں سے جُدا کرتے تھے۔ اور
پھر اُس مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر اسی جوش کے ساتھ کہتا
ہوں۔ نماز خلاصہ ہے قرآن کریم کا۔ شروع میں الحمد اور آخر
میں درُود رکھ کر اس میں محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر درُود رکھ دیا۔ اور اگر
درُود نہ پڑھا جائے۔ یا درُود میں محمّدؐ کہا جائے اور آلِ محمّدؐ نہ
کہا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ گویا درُود نماز کا خلاصہ ہے۔ اگر آپ
آلِ محمدؐ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کرتے ہیں تو گویا کہتے ہیں، یا
اللہ محمّدؐ کا سر تو رہے لیکن اے اللہ محمّدؐ کا دھڑ (جسد) الگ کاٹ کر
پھینک دے۔ اُس وقت مَیں اپنے دائیں ہاتھ کو چھری کی مانند

چلاتا ہوں۔ گویا اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو دھڑ (جسد) سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر کہتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ یا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سر تو رہے لیکن بازو کاٹ کر الگ پھینک دیئے جائیں۔ تو آپ کس طرح محمدؐ سے آلِ محمدؐ کو جُدا کر سکتے ہیں۔ اس پر وہ مولوی بالکل دم بخود اور خاموش رہتا ہے۔ اور خاکسار نیند سے بیدار ہو جاتا ہے۔"

(یہ رات محرّم کی دوسری رات تھی اور اُس رات خاکسار کو تہجّد کے نوافل پڑھنے کی توفیق ملی تھی۔ تہجّد پڑھ کر سونے کے بعد یہ نظارہ دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعہ بعض علوم سکھاتا اور مسائل کو حل فرماتا ہے۔ الحمد للہ)

---

(۲۹) ۷/۶ نومبر ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے ایک بڑا سا مکان ہے۔ اس میں حضرت والد بزرگوار اور چند اور رشتہ دار بھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کوئی جلسہ یا میٹنگ ہو رہی ہے۔ خاکسار کھڑے ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے اور مندرجہ ذیل آیات اس طرح پڑھتا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ○ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا

اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ رَبِّ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ... فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ۔

بس اتنی ہی آیات اِسی ترتیب سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ اُونچی آواز سے پڑھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ الحمد لِلّٰہ علیٰ ذالك۔

---

(۳۰) فروری ۱۹۵۱ء۔ جن دنوں خاکسار کے پھوپھی زاد بھائی کاظم حسین شاہ کے رشتہ کی بات چیت ہو رہی تھی اُن دنوں خواب میں دیکھا کہ "ایک بڑے مکان کے ساتھ ایک چھوٹا کمرہ ہے۔ اس کا ایک حصّہ گرا ہوا ہے اور مکان کا ملحقہ دوسرا حصّہ کھڑا ہے۔ کچھ آدمی اُوپر چڑھے ہوئے چھت پر کُدالوں سے صفائی کر رہے ہیں۔ خاکسار اُوپر چڑھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ملحقہ کمرہ میں نیچے کی طرف سے دراڑ پڑی ہوئی ہے۔ کُدالوں والوں کو خاکسار منع کرتا ہے کہ اسے نہ چھیڑو اور صاف نہ کرو۔ لیکن وہ باز نہیں آتے اور سارا مکان اچانک گر جاتا ہے اور دہشت سے میری آنکھ کُھل جاتی ہے۔"

"بعد میں باہمی تعلقات میں کچھ کشیدگی پیدا ہوئی۔"

---

۱ ۳۱ مارچ ۱۹۵۱ء کو خواب میں دیکھا کہ مَیں ایک شہر میں پھر رہا ہوں جو غالباً مکّہ یا مدینہ منوّرہ ہے جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکان ہیں مختلف مقامات کو دیکھتا پھرتا ہوں۔

اور اُس شہر کا کوئی رہنما بھی ساتھ ہے جو بتاتا جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان ہے۔ اور غالباً حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا مکان ہے۔ اُس کے تمام کمرے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ اندر کمروں کو خالی دیکھ کر مجھ پر رقّت کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور رقّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ پھر آنکھ کھُل جاتی ہے۔

دوبارہ نیند آنے پر پھر وہی شہر نظر آتا ہے اور دیکھتا ہوں کہ ایک کاغذ اور پنسل میرے ہاتھ میں ہے۔ اُس شہر کی بعض جگہوں کو نقشے کی صورت میں تیار کر چکا ہوں اور باقی مکانوں کو ساتھ کے ساتھ دیکھتا اور تیار کرتا جاتا ہوں۔ ایک جگہ دیکھی جس کے متعلق رہنما نے بیان کیا کہ اس جگہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی تھی۔ پھر مَیں بیدار ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ لگ گئی اور نیند میں دیکھا کہ کاغذ پنسل میرے ہاتھ میں ہے اور اسی شہر میں پھر رہا ہوں۔"

بعد میں مجھے خلافت لائبریری میں ایک کتاب "مِرْاٰۃُ الحرَمَیْن"
دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں مکّہ اور مدینہ منورہ کے حالات دیئے ہوئے
ہیں جو ابراہیم رفعت پاشا نے ۱۹۲۵ء (۱۳۴۴ھ) میں تالیف
کی۔ اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا خاکہ جہاں
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش ہوئی اور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش جس جگہ ہوئی اُن کے خاکے
بصورتِ ذیل دیئے ہوئے ہیں :۔

صحیفہ ۱۸۹۹ء
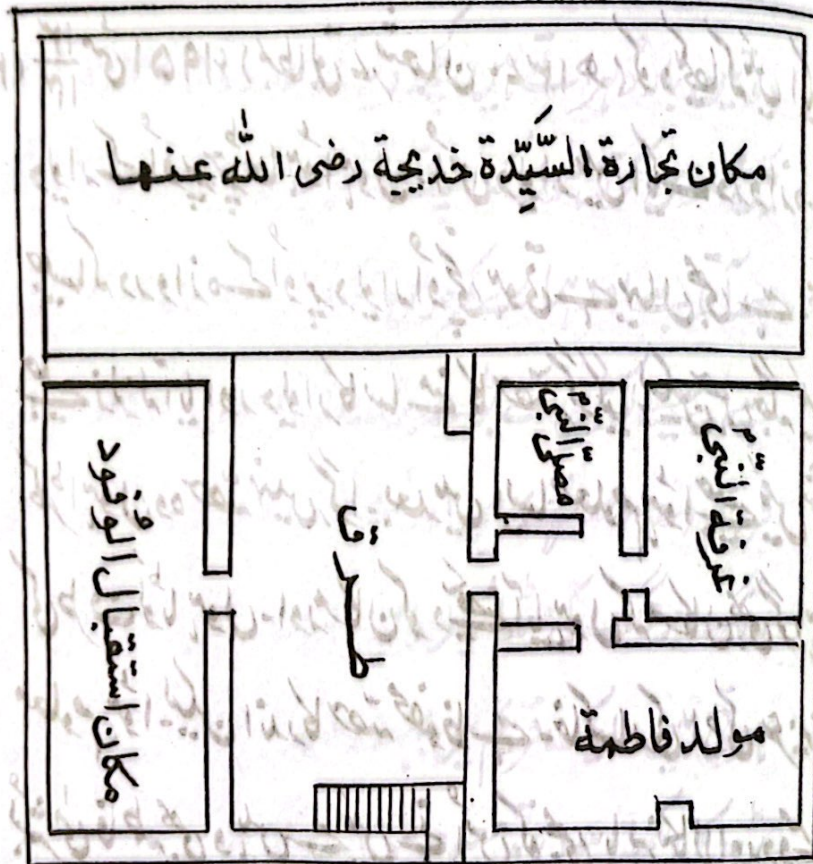
رسم نظری تقریبی لبیت السیدة خدیجة المشہور بمولد السیدة فاطمة (بمکة)
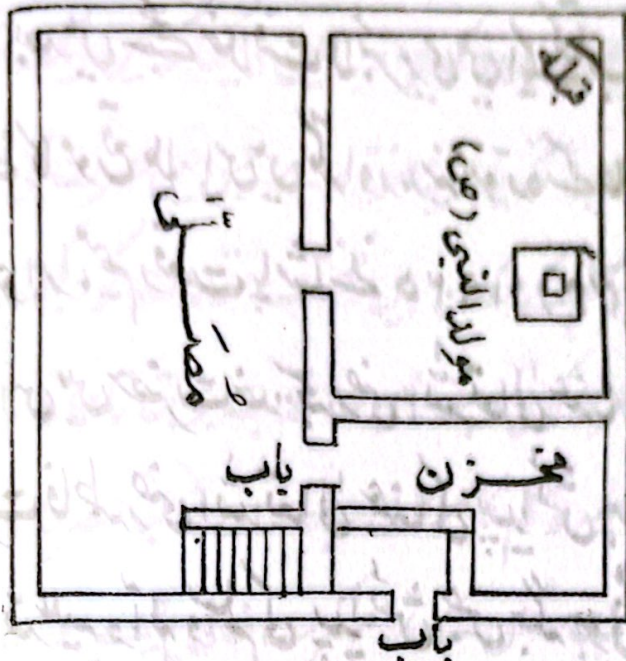
رسم نظری تقریبی لمولد النبی (ص) او دار عبداللہ ابن عبدالمطلب (بمکہ)

---

(۳۲) $\frac{۱۳}{۱۴}$ مئی ۱۹۵۱ء (بمطابق ۷ رشعبان ۱۳۷۰ھ) کو دیکھا کہ میں ایک دیوار کے اُوپر چڑھا ہُوا ہوں۔ اُس دیوار میں ایک دروازہ ہے جیسا کہ دروازہ کے اُوپر دیوار اُونچی ہوتی ہے یہاں بھی ہے۔ پھر جیسے زلزلہ آیا اور دیوار کا سامنے کا حصّہ گر گیا لیکن جس جگہ میں کھڑا ہوں وہ حصّہ نہیں گرا۔ بعد میں ایسا معلوم ہُوا جیسے میں شہر کی طرف لَوٹا ہوں۔ اور مکان کو دیکھنے آیا ہوں کہ مکان بھی گرا ہُوا معلوم ہُوا لیکن اندر کا حصّہ محفوظ ہے۔ خاکسار کی لڑکی عزیزہ بُشریٰ فاطمہ بھی وہیں ہے میں نے اُس کو بھی باہر نکالا اور دوسرے آدمیوں کو بھی جو چھت کے نیچے ہیں باہر آنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔

اردگرد اور مکان بھی ہیں جو اکثر محفوظ معلوم ہوتے ہیں۔ مکان کے اندرونی حصّہ سے آگے کی طرف بڑھتا ہوں تو ایک مکان نظر آتا ہے جو کسی افسر کا معلوم ہوتا ہے جسے میں ایس۔ڈی۔او (S.D.O) سمجھتا ہوں۔ باہر ایک بچّہ نظر آتا ہے جس کی صحت بہت اچھی ہے۔ بڑی بڑی گول آنکھیں ہیں۔ میں جب اُس کے پاس جاتا ہوں تو وہ کہتا ہے میں تمہارا دوست ہوں میں اُس کو مزید پختہ کرنے کے لئے کہتا ہوں۔ کیا سچ مُچ؟ کسی موقعہ پر تم مجھے نہیں بھولوگے۔ وہ کہتا ہے۔ بالکل نہیں۔ اور اسی بات کو دو تین بار دُہراتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ لڑکا چلا جاتا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اپنے مکان پر ہوں اور وہی لڑکا کچھ دیر بعد آتا ہے اور ہمارے کمرہ میں آکر فرش پر بہت سی چیزیں رکھتا ہے۔ جیسے لکڑی کے بڑے بڑے فریم ہوں۔ ایسے بڑے بڑے فریم (frame) ہیں اور مُنہ تک بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں رنگ برنگ کی مٹھائیاں ہیں۔ جیسے ولایتی کھٹی میٹھی ٹافیاں وغیرہ ہوتی ہیں۔ ایک فریم میں بہت سفید چیز نظر آتی ہے۔ میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے گندم کی اعلیٰ قسم ہے۔ لمبے اور پتلے دانے اور بہت سفید۔ اُس لڑکے سے میں پُوچھتا ہوں کہ

تم کس کے لڑکے ہو؟ تو وہ کہتا ہے۔ بحالیات کا۔ مَیں دِل میں کہتا ہوں کہ شاید بحالیات سے مراد افسر محکمہ بحالیات ہے۔"

اس کے بعد نیند کھُل گئی۔ اور پھر دوبارہ نیند آنے پر دوبارہ وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مکانوں کے گرنے کے وقت ہماری ایک دُکان کے سامنے کا حصّہ بھی گرا اور دروازہ بند ہو گیا تھا۔ کچھ آدمی جو غالباً سکھ معلوم ہوتے ہیں ایک طرف سے راستہ بنا کر اپنا سامان نکال رہے ہیں۔ مَیں گمان کرتا ہوں کہ کہیں یہ میرا سامان بھی نہ چُرا لیں۔ اُس وقت ایک آدمی جو واقف معلوم ہوتا ہے جیسے مرزا صالح علی ہوں مجھے ملتے ہیں اور کسی کام کے لیئے لیجانا چاہتے ہیں۔ مَیں عذر کرتا ہوں کہ مجھے کچھ کام ہے اور اُن کو دکھانے کے لیئے دُکان کی طرف لاتا ہوں۔ جب دُکان کے سامنے آتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ دروازے کے سامنے کا سب کوڑا کرکٹ اور ملبہ دُور ہو چکا ہے اور راستہ صاف ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ پاس ہی اُسی ساتھی لڑکے کی دُکان ہے۔ مَیں اُسے کہتا ہوں میری دُکان کا خیال رکھنا۔ تو وہ "بہت اچھا" کہتا ہے۔ اور مَیں مطمئن ہو کر چل پڑتا ہوں۔ آگے جا کر راستہ میں دو تین واقف آدمی ملتے ہیں۔ وہ میرے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

تمہارے جیسے آدمی کے لیئے ایسا سادہ لباس؟ میں اپنے لباس کی طرف دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے ۔ لمبا سا کُرتہ، شلوار اور پگڑی ہے ۔ دائیں کندھے پر قرآن شریف کی حمائل کا پٹہ اور قرآن شریف ہے ۔ بائیں طرف بندوق کے کارتوسوں کی پیٹی ہے۔ نیچے تلوار لٹک رہی ہے اور رائفل ہاتھ میں ہے ۔ میں اطمینان سے جواب دیتا ہوں کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ہونٹوں پر سُرخی لگائی ہوئی ہو اور ننگے سر بال اُلٹے کئے ہوں ۔ پھر کہتا ہوں کہ دیکھو یہ قرآن شریف ہے ۔ اِس کے لٹکانے میں کیا ہرج ہے اعتراض تو تب ہوتا کہ آدمی اس کو نہ سمجھے اور یونہی لٹکالے ۔ مَیں تو اِس کو سمجھتا ہوں ۔

پھر آگے کی طرف بڑھتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں ۔ ایک نو وارد بھی آکر بیٹھ جاتا ہے اور بلوچوں کی طرز پر اپنا احوال بیان کرنا شروع کرتا ہے ۔ وہ آدمی بھی آجکل کے فیشن کا ہے ۔ وہ کچھ اعتراض کرتا ہے ۔ مَیں اُس کے جواب میں کہتا ہوں کہ دوسروں پر تو آپ اعتراض کر سکتے ہیں مثلاً آپ ہم سیّدوں پر بھی اعتراض کر سکتے ہیں لیکن رسول کے معنی ہیں massinger یعنی پیغامبر ۔ اس لیئے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ اِسی طرح نبی کا لفظ نباء سے

سے نکلا ہے یعنی خبر دینے والا۔ اس لیئے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔"

(نوٹ :۔ ان دنوں کچھ مالی تنگی ہے اور کچھ روحانی مشکلات ان کے حل کے لیئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دونوں صورتوں کے لیئے آسانی پیدا فرمانے والا ہے، انشاء اللہ۔ سنہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں خاکسار کا بیٹا عزیزم محمد مبشر شاہ بطور S.D.O پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں متعیّن ہوا۔ ایک حصّہ خواب کا اس طرح پورا ہوا۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک)۔

---

(۳۲۳) مورخہ ۲-۳ ستمبر ۱۹۵۱ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے گھر سے دُور کسی ہوٹل پر گیا ہوں۔ اور ایک لمبی سی میز پر کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ مَیں بھی ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہوں اور کھانا طلب کرتا ہوں۔ اور ایک بھُونی ہوئی سالم ٹانگ (ران) جیسے بکرے کی ہو میرے سامنے ہے اُس میں سے کھا رہا ہوں۔ اچانک میز کے دوسرے سرے پر برادرم عبدالحق شاہ نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس رقم نہیں ہے۔ اُنہیں دیکھ کر مَیں بلاتا ہوں کہ آؤ۔ کھاؤ۔ وہ میرے ساتھ کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب مَیں

کھانا کھا کر فارغ ہوتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ عبدالحق نہیں ہیں اور ران کا ایک حصّہ وہ اپنے ساتھ لپیٹ کر لے گئے ہیں۔ میں اُٹھتا ہوں اور تھوڑی دُور جا کر پھر واپس آتا ہوں۔ ہاتھ میں ایک خالی طشت ہے۔ وہ دُکاندار کو واپس کرتا ہوں کہ غلطی سے یہ میرے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ پھر جیسے عبدالحق کی تلاش میں نکلتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ گھر کے لیئے تو کچھ نہیں لیا۔ اُسی سے لے لوں گا۔ کچھ فاصلہ پر عبدالحق نظر آجاتا ہے۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔ ایک دفتر سامنے آجاتا ہے۔ عبدالحق پہلے اُس میں داخل ہوتا ہے اور پہلے ہی کمرے میں چلا جاتا ہے۔ اس میں کچھ پولیس کے آدمی اور شاید ایک افسر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم برآمدے میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اُسی کمرہ میں ایک کونہ میں ایک فقیر بیٹھا ہُوا ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر کہتا ہے" ہم اُن سے مشابہت پیدا نہیں کرتے (اُن سے اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ کسی اور طرف اشارہ ہے) نہ ویسے اور نہ بروز کے طور پر" اور یہ فقرہ دو تین بار دُہراتا ہے جیسے مجھے سُنا رہا ہو۔ میں اُسے کہتا ہوں۔ بروز کے طور پر کیوں نہیں۔ اور صوفیاء کے طریق کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ رُوحانی طور پر تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ اس پر وہ فقیر
کہتا ہے ؎

ضمیر است شہنشاہِ روشن ضمیر

اور ایک اَور آیت پڑھتا ہے۔ ٹھیک یاد نہیں وہ کیا ہے
لیکن بیدار ہونے کے بعد ذہن اِس طرف گیا کہ یہ آیت مَا
نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا
اَوْ مِثْلِهَا ہے۔ کچھ دیر بعد اُس جگہ کو چھوڑ دیتا ہوں۔
اور کہتا ہوں کہ دیر ہو رہی ہے۔ راستے میں ایک دریا بھی پڑتا
ہے جو اُترا ہوا ہے اور اب پھر اُس میں پانی چڑھنا شروع
ہو گیا ہے۔ پھر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میرے خُسر حضرت
مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی جگہ آ گئی ہے۔ وہ خود تو
نظر نہیں آتے۔ خوشدامن صاحبہ اور بچے نظر آتے ہیں۔ مَیں کہتا
ہوں کہ میں گھر کے لیئے تو کچھ نہیں لایا۔ یہیں سے لیتا جاؤں۔ عزیز
مبارک احمد کو دَوڑایا جاتا ہے اور وہ جلدی سے پھل وغیرہ توڑنے
چلا جاتا ہے۔ مَیں بھی پیچھے جاتا ہوں۔ جیسے بڑے بڑے گرے فروٹ
(Gray fruit) توڑ رہے ہیں۔ عزیزہ مبارکہ آواز دیکر
کہہ رہی ہے۔ انار بھی توڑنا۔ جب مَیں وہاں پہنچتا ہوں تو دیکھتا

ہوں۔ اُس نے پہلے سے انار بھی توڑے ہوئے ہیں۔ وہ بھی بڑے بڑے ہیں۔ اُن کو جلدی جلدی کپڑے میں لپیٹ کر ہم چل پڑتے ہیں۔ پھر دریا آجاتا ہے۔ بہت سے لوگ جارہے ہیں۔ وہیں ہمارا گھوڑا بھی نظر آتا ہے۔ دو اور گھوڑے بھی اُسکے ساتھ ہیں ؛ پھر بیدار ہوگیا۔

(برادرم عبدالحق کی وفات ۱۹۶۷ء میں ہوئی اور خاکسار کے خُسر حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی وفات ۱۹۶۴ء میں ہوئی۔)

---

(۲) ۲۰/۲۱ نومبر ۱۹۵۱ء کی درمیانی شب کو بہت لمبا خواب دیکھا جس کا کچھ حصّہ یاد رہا۔ دیکھا کہ مَیں بمع اہلیہ اور بچّوں کے شیر محمد خان مرحوم پٹھان سکنہ نواب شاہ سندھ کی اہلیہ کے گھر جس کو ہم بہن کہتے ہیں گئے ہیں۔ اُن کا گھر ایک اُونچی جگہ پر ہے جیسے پہاڑی پر ہو۔ اُنہوں نے ہماری دعوت کی ہے۔ اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ وہاں ہمارے ساتھ رمضان خان بلوچ بھی ہے۔ اس کو کھانا دیا گیا ہے اور وہ برتن لے کر آرہا ہے اور احاطہ کے اندر آجاتا ہے جہاں دو تین عورتیں بیٹھی ہیں۔ خاکسار کی اہلیہ اور بہن

بھی ہے۔ برتن رکھ کر وہ لوٹ جاتا ہے۔ یہ بات ہمیں ناگوار گزرتی
ہے۔ پھر جیسے عمر خان برادر مرید حسین خان نظر آتے ہیں۔ مَیں اُن
کے ساتھ حال احوال جیسے بلوچوں کا دستور ہے کرنے لگ جاتا
ہوں۔ بڑا لمبا احوال بیان کر رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ محمد شفیع
کے ساتھ جب میں لاہور گیا تو مرید حسین خان کا ایک افسر واقف
تھا اُس کی موٹر میں ہم چلے گئے۔ اور ہمیں کوٹی کرایہ وغیرہ ادا
نہیں کرنا پڑا۔ اسی طرح اس کے علاج کے حالات بیان کرتا رہا۔
یہ بیان بہت لمبا ہو گیا۔ پھر جیسے وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتے
ہیں اور سورج غروب ہو رہا ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ اچھا اب مَیں
جلدی اپنا احوال ختم کرتا ہوں۔ اور ایک دو فقرے کہہ کر بات
کو مکمل کر دیتا ہوں۔ پھر ایسا معلوم ہؤا کہ ہم ایک کمرہ میں ہیں
اور لاہور کا شہر ہے۔ برادرم عبدالحق شاہ بھی ساتھ ہی ہیں۔
وہ آگے آگے روانہ ہو جاتے ہیں اور مَیں پیچھے۔ یہ کہتے ہوئے
کہ دیر ہو گئی ہے۔ آگے ایک تخت پوش نظر آتا ہے اور اُس پر
دو عورتیں بیٹھی ہیں۔ ایک چھوٹی ہے اور دوسری بڑی عمر کی ہے۔
بڑی عمر والی چھوٹی کو کہہ رہی ہے کہ جا اور بچوں کو ڈھونڈ کر لا۔
اور بار بار تاکید کر رہی ہے۔ چنانچہ چھوٹی عمر والی چل پڑتی ہے۔

مَیں اُسی تخت پوش پر پاؤں رکھ کر بُوٹ کے تسمے باندھنے لگتا ہوں ۔ وہ عورت اُسی تخت پوش پر بیٹھی ہے اور چھوٹی کو جو اب کچھ فاصلہ پر ہے کہہ رہی ہے کہ بچّوں کو ضرور ڈھونڈ کے لا۔ آج بڑا دن ہے ۔کہیں ایسا نہ ہو باہر رہ جائیں ۔میں اُس سے پُوچھتا ہوں ۔ آج کیسا بڑا دن ہے ؟ وہ کہتی ہے ۔آج اگر خدا چاہے چاند نظر آجائے تو عید ہو جائے گی ۔ یہ سُن کر مَیں حیران ہوتا ہوں کہ اتنی جلدی عید آگئی ۔ اور مَیں جلدی جلدی بوٹ کے تسمے باندھ کر چل پڑتا ہوں اور جیسے لاہور شہر کے بازار سے گزر رہا ہوں اور بہن کے گھر کی طرف جا رہا ہوں ۔ بازار میں بہت سے لوگ ہیں ۔ چلتے ہوئے اچانک لوگ کہنے لگ جاتے ہیں ” وہ چاند نظر آگیا ہے ، وہ چاند نظر آگیا ہے “ —— چند قدم آگے بڑھ کر مَیں بھی دیکھنے لگ جاتا ہوں ۔ پہلے تو نظر نہیں آتا ۔ آسمان پر ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھیلے ہوئے ہیں ۔ پھر جیسے ایک ٹکڑے میں مدھم سا نظر آ کر پھر اچانک چاند دو ٹکڑوں کے درمیان صاف نظر آتا ہے ۔ باریک سا چاند جو بہت چمکدار ہے ۔ صاف نظر آتا ہے ۔مَیں تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھتا ہوں اور جیسے بہن کے گھر میں داخل ہو جاتا ہوں ۔ برآمدہ

عبدالحق بھی جیسے اُسی وقت مجھ سے پہلے پہنچے ہیں۔ مَیں دوسرے کمرے کے دروازہ سے اندر آ گیا ہوں۔ اندر بہن نظر آتی ہے۔ اور پھر خاکسار کی اہلیہ امۃ الحفیظ۔ مَیں کہہ رہا ہوں کہ ہماری عید تو اِسی جگہ ہو گئی۔ ہم جا بھی نہیں سکتے اور جیسے سب ہنس رہے ہیں اور خوش ہیں۔ پھر اپنی اہلیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہوں چلو بہن کی بات تو پوری ہو گئی۔ ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ بہن نے پہلے کہہ رکھا تھا کہ ہم عید پر نہیں جانے دیں گے۔ عید یہیں کرنا۔ یہ سُن کر بہن بھی اور سب بچّے وغیرہ ہنستے اور خوش ہوتے ہیں۔ اور جس طرح عید کی خوشی میں ایک کونے میں کھانے کی چیزیں پکانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس کے بعد صبح کی نماز کے لیئے جگایا گیا۔"

---

(۳۵) دسمبر ۱۹۵۱ء خواب میں دیکھا کہ مَیں آل اور اولاد کے معنی بیان کر رہا ہوں۔ کہ اولاد تو صرف اولاد کو کہتے ہیں، نیک ہو یا بد۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو نیک بھی ہو آل کہلاتی یعنی جب جسمانی تعلق بھی قائم ہو اور نیکی اور پیروی کی وجہ سے رُوحانی تعلق بھی قائم ہو۔" واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) ۱۰/۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء جمعہ کی شب تقریباً ۲½ بجے رات دیکھا۔
جیسے مَیں نے دو جگہ سیم کے پودے کاشت کئے ہوئے ہیں۔ ایک
بنگلہ کے باہر دیوار کے ساتھ۔ اُن کو بڑی بڑی پھلیاں لگی ہوئی
ہیں اور مَیں اُن کو توڑ رہا ہوں۔ پھر کچھ اَور نظارے دیکھے۔

خواب میں ایسے محسوس ہُوا جیسے کسی صحرائی علاقہ میں ہوں۔
ایک نوجوان جن کی داڑھی چھوٹی چھوٹی اور مونچھیں ابھی اُگ
رہی ہیں۔ ایک چارپائی پر سو رہے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مَیں یہ معلوم کر کے درُود پڑھنے لگ جاتا ہوں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارد گرد کچھ اَور لوگ بھی ہیں جو درُود پڑھ
رہے ہیں۔ لیکن وہ مجھے نظر نہیں آرہے۔ ہم درُود پڑھ رہے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں کی طرف نظر کرنے پر معلوم
ہُوا کہ وہ آہستہ آہستہ ہِل رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے
جیسے مُنہ سے الفاظ نکل رہے ہیں۔ جیسے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے
ہیں۔ آواز سُنائی نہیں دے رہی۔ لیکن مبارک ہونٹ ہِل رہے
ہیں۔ جیسے آپؐ پر جو لوگ درُود بھیج رہے ہیں، اُن کے جواب
میں دُعا فرما رہے ہیں۔

کوئی شخص پوچھتا ہے یہ کون ہیں؟ مَیں جواباً کہتا ہوں۔ یہ

وہ ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یوسفؑ سے بڑھ کر ہیں۔ اس کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضورؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے ہیں اور رُوئے انور صفائی سے نظر آرہا ہے۔ سر پہ دستار ہے۔ چہرہ کا رنگ نکھرا ہوا ہے۔ سُرخ وسفید گندمی ہے۔ ناک بلند اور خوبصورت ہے۔ چہرہ چوڑا ہے۔ داڑھی سیاہ اور جیسے چہرہ کے قریب خط بنا ہوا ہے۔ اسی طرح برابر اور موزوں ہے۔ آپؐ کی شبیہہ مبارک کو دیکھ کر مَیں شکر کا سجدہ ادا کرتا ہوں۔ چارپائی کی پائنتی کی طرف کھڑا ہوں اور چارپائی کے پاس ہی سجدہ کرتا ہوں۔ سجدہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ نیچے نرم ریت ہے۔ میرے ہاتھ، پاؤں، گھٹنے اور پیشانی ریت کو محسوس کر رہے ہیں۔

اس وقت خاکسار کی اہلیہ امۃ الحفیظ نظر آتی ہے اور جوش عقیدت سے کوئی نظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہنا چاہتی ہے اور مجھے کہتی ہے کوئی مصرعہ بتاؤ۔ اس پہ مَیں نظم بناؤں۔ مَیں سوچ کر کہتا ہوں ؎

اے سردار سرداراں دا

لیکن وہ کہتی ہے کوئی اور مصرعہ بتاؤ۔ اسی حالت میں مَیں بیدار ہوگیا اور زبان پر الحمد لِلّٰہ والمنّتہ واحسانہ جاری تھا۔

نیچے اُتر کر فرش پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک
اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ
بَارِکْ وَسَلِّم۔

---

(۳۷) ۲۵/۲۶ فروری ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب کو دیکھا" ایک بہت بڑا
دریا ہے۔ ہم اُس کو عبور کر رہے ہیں۔ ہمارے دو گروہ ہیں۔ اور
ہر ایک کے ذمّہ اُس دریا کے اندر کوئی کام ہے۔ اور اُس کو دو
حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس کا نقشہ کچھ اِس طرح ہے:-

تقسیم کی حد
ہمارا حصّہ
دریا
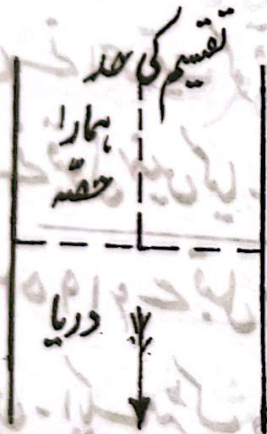
تقسیم میں ہمارا حصّہ دوسرے نمبر پر ہے اور نزدیک والا حصّہ
دوسرے گروہ کا ہے۔ اس کے متعلق مجھے کوئی اعتراض ہے۔ اور
کہتا ہوں کہ یہ حصّہ ہمارے حصّہ سے کم یا زیادہ ہے۔ (یہ ٹھیک
یاد نہیں کہ زیادہ ہے یا کم جس پر مجھے اعتراض ہے) پھر اس تقسیم
کے مطابق مَیں اپنے گروہ کے ساتھ کام دریا کے اندر شروع کر دیتا

ہوں ۔ حتیٰ کہ ہم دریا کے دوسرے کنارے پہنچ جاتے ہیں ۔ جس وقت ہم دریا کے کنارے پہنچتے ہیں ہماری پوری حدود کے سامنے ایک خوشنما مسجد بنی ہوئی نظر آتی ہے جس پر نقش و نگار ہیں ۔ اپنے گروہ کے ساتھیوں سے میں آگے ہوں ۔ اور باہر نکلتے ہی زور سے "اَللّٰہُ اَکْبَر" کا نعرہ لگاتا ہوں اور میرے بعد میرے دوسرے ساتھی بھی نعرہ لگاتے ہیں ۔"

(اللہ تعالیٰ کسی امر میں مقابلۃً فتح دیگا ۔ جس سے اس کی بڑائی کا اظہار ہوگا ۔ انشاء اللہ ۔ ایک طرح کا مقابلہ تو جاری ہے ۔ کیونکہ میں نے احمدیت کو قبول کرلیا ہے اور ہمارے دوسرے عزیزوں نے قبول نہیں کیا ۔ واللہ اعلم بالصّواب) ۔

---

(۳۸) ۷ مارچ ۱۹۵۲ء سے قبل خواب میں دیکھا ۔ ہم ایک پہاڑی علاقہ میں ہیں ۔ ایک سڑک دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتی ہے اور میں اُس پر کار چلا رہا ہوں ۔ آگے ایک موڑ آتا ہے ۔ نیچے کھائی ہے اور راستہ تنگ ہے ۔ موٹر کے گزرنے کی صورت نظر نہیں آتی ۔ کار کھڑی کرکے کچھ تجویز سوچ رہے ہیں ۔ کچھ اور آدمی دکھائی دیتے ہیں ۔ اُن میں سے ایک دائیں طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اور کہتا ہے کہ اس طرف سے راستہ ہے ۔ چنانچہ اُس طرف کار کو

موڑ کر چلا جاتا ہوں اور آسانی سے کار گزر جاتی ہے۔" (واللہ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالیٰ ہر موقعہ پر رہنمائی فرمائے۔ آمین)۔

---

(۳۹) ۸ / مارچ ۱۹۵۲ء کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائیکل چل رہا ہے اُس کے دونوں پہیے بالکل خراب ہو گئے ہیں۔ اُن میں ہوا بالکل نہیں رہی۔ کوئی کہتا ہے کہ اللہ اللہ کرنے یا اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے اس کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ (بہت سی بلکہ اکثر جسمانی اور رُوحانی خرابیاں اللہ تعالیٰ کی دُوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ان کا علاج خدا تعالیٰ کی طرف توجّہ اور اُس کے احکام پر عمل کرنا ہوتا ہے)۔

---

(۴۰) ۶/۷ مئی ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب کو ایک لمبا سا خواب دیکھا۔ جو یاد نہیں رہا۔ اس میں سے آخری حصہ میں ایک نظارہ یہ تھا۔ کہ مَیں نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے سامنے کی ہوئی ہے۔ اچانک اُس پر بعض الفاظ لکھے ہوئے نمودار ہوئے جیسے فلم کے پردہ پر اچانک ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے تین حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں لفظ "شکست" ہے۔ دوسرے فقرے سے پہلے "شکستہ" ہے۔

اور تیسرے حصّہ کے الفاظ میں سے کوئی یاد نہیں رہا۔ اس کی
شکل یوں ہے :-

شکست .... شکستہ
....

گویا صرف شکست شکستہ یاد رہ گئے اور باقی بھول گئے"۔
(ہو سکتا ہے کہ ہم سے تعلق رکھنے والی کسی شکست کو اللہ تعالیٰ
اپنے فضل سے ٹوٹنے کے سامان فرما دے۔)

---

(۴۱) $\frac{۲۲}{۲۳}$ مئی ۱۹۵۲ء کی درمیانی رات کو دیکھا کہ کوئی مقدمہ کسی جج کے
سامنے پیش ہے۔ اُس نے کوئی فیصلہ دیا ہے اور پھر بعد میں اُس
فیصلہ کو تبدیل کر کے دوسرا فیصلہ سُنایا ہے۔ اور یہ دوسرا فیصلہ
ہمارے حق میں ہے"۔ (واللہ اعلم بالصّواب)

---

(۴۲) مئی ۱۹۵۲ء۔ خواب میں ایسا معلوم ہوا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے
مَیں اُس کے کنارے پر کھڑا ہوں۔ پھر جیسے اُس میں گر کر تیرنا شروع
کر دیا ہے۔ دریا بہت تیز اور چوڑا ہے اور پانی بھی گہرا ہے۔ مَیں
گھبرا رہا ہوں کہ مَیں تیراک نہیں ہوں لیکن پانی میں پڑتے ہی تیرنا

حصہ کے الفاظ میں سے کوئی یاد نہیں رہا۔ اس کی

۔:-

شکست .... شکستہ
....

شکستہ یاد رہ گئے اور باقی بھول گئے"۔

م سے تعلق رکھنے والی کسی شکست کو اللہ تعالےٰ

کے سامان فرما دے۔)

انی رات کو دیکھا کہ کوئی مقدمہ کسی جج کے

وئی فیصلہ دیا ہے اور پھر بعد میں اُس

فیصلہ سُنایا ہے۔ اور یہ دوسرا فیصلہ

علم بالصّواب)

معلوم ہوا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے

۔ پھر جیسے اُس میں کُود کر تیرنا شروع

ا ہے اور پانی بھی گہرا ہے۔ مَیں

۔ لیکن پانی میں پڑتے ہی تیرنا

شروع کر دیا۔ اور دریا کے بہاؤ کے رُخ تیرتا ہوا اُس جگہ جا پہنچا جہاں دریا کا تمام پانی سمٹ کر ایک جگہ آجاتا ہے۔ اس جگہ پانی بہت گہرا ہے اور دریا کا سارا زور یہیں ہے۔ دل میں ڈر پیدا ہو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے تیر کر کنارے پر پہنچ گیا ہوں۔ اور ہر طرح محفوظ رہا ہوں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

(۴۳) ۵ رجون ۱۹۵۲ء۔ بوقت دوپہر اپنی زمین کنوئیں والی پر لیٹے ہوئے آنکھ لگ گئی تو نیند میں دیکھا کہ آیت وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم پڑھ رہا ہوں۔ اُسی دن روزہ بھی تھا۔ نیند کی حالت میں تربوز کا پانی پیا۔ اُس سے پیاس رفع ہو گئی"۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّتِہٖ وَاِحْسَانِہٖ)

---

(۴۴) یکم جولائی ۱۹۵۲ء بمقام مٹھن کوٹ دوپہر کو لیٹے ہوئے دیکھا، جیسے کوئی کہہ رہا ہے :-

"اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهٗ یَحْیٰی"

(الحمد للہ۔ ثمّ الحمد للہ۔ وھو علیٰ کلّ شیءٍ قدیر)

یہ خوشخبری ایک لحاظ سے اِس طرح پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے

میرے بیٹے محمد مبشّر کو ایک بیٹا عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو نیک، عمر والا صحتمند، دین و دُنیا کی برکات سے وافر حصّہ پانے والا بنائے۔ آمین ثمّ آمین۔ اس بچّہ کی پیدائش ۷ ستمبر ۱۹۷۸ء بمطابق ۳ شوال ۱۳۹۸ھ بروز جمعرات دس بجکر بیس منٹ بوقت شب ملتان میں ہوئی۔ اس کی چھوٹی پھوپھی عزیزہ منصورہ فاطمہ نے اس بچّے کے دو نام دیکھے: مدثّر اور مبصّر۔ اس کے والدین اس کو عمران کہتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کو مدثّر احمد کہتے ہیں۔

---

(۴۵) ۸ جولائی ۱۹۵۲ء بوقت شب دیکھا جیسے کوئی کہتا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ"۔

---

(۴۶) ۲۵/۲۶ اگست ۱۹۵۲ء بوقت شب دُعاؤں کی توفیق ملی۔ رات کو سوتے ہوئے دیکھا۔ کہا گیا:۔

"ڈپٹی نصرت برانچ"

(معلوم ہوتا ہے جن امور کے لئے دُعا کی گئی ہے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کے احکامات صادر فرما دیئے گئے ہیں الحمد للہ)۔

ستمبر ۱۹۵۲ء بمقام جام پور دیکھا جیسے عزیزم محمد مبشرؔ کو کسی نے تھپڑ مارا ہے ۔ مجھے گراں گزرا۔ پھر میں نے تسلی کے طور پر کہنا شروع کیا۔ کوئی بات نہیں۔ اسی طرح ابدال بنتے ہیں۔"
(بعض ظاہری تکالیف رُوحانی ترقیات کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں)

---

(۴۸) دسمبر ۱۹۵۲ء۔ غلام سرور خان مزاری کو دیکھا۔ میں نے اسکی طرف مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھایا۔ پہلے وہ ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ جیسے کچھ مشکوک ہو لیکن تھوڑی دیر کے تردّد کے بعد اس کا شک دُور ہوگیا اور اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور ہم نے مصافحہ کیا۔

---

(۴۹) ۱۲/۱۳ جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ ہم اپنے عمر کوٹ والے مکان میں ہیں جیسے کسی عذاب یا خطرہ کی آمد ہو۔ دو آدمی جن کے سر پر زردی مائل خاکستری رنگ کی پگڑیاں ہیں۔ شاید دو فرشتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تم سب یہاں سے نکل چلو اور برتن اپنے ساتھ لے لو۔ ہم سب مکان سے شمال کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ میرے گھر والے، بچے، برادرم عبدالحق وغیرہ رشتہ دار سب ہیں۔ جب ہم تھوڑی دُور آگے جاتے ہیں تو میں کہتا ہوں۔

برتن ساتھ لے جانے کی تو ہمیں اجازت ہے وہ ہم نہیں لائے۔ چنانچہ مَیں واپس گھر لوٹ آیا ہوں۔ عزیزم محمد مبشر مشرقی کھڑکی کے پاس کھڑا ہے۔ اُس کا سبز سوئیٹر مجھے نظر آیا۔ مَیں قریب آتا ہوں تو جس طرح بچے کرتے ہیں وہ رُوٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مَیں اُس کو پیار دلاسا دیکر راضی کر لیتا ہوں اور اُسکے پاؤں میں چپلیاں پہنا کر چلنے کے لئے تیار کرتا ہوں۔ پھر برتن اکٹھا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ بڑے مُنہ والا دیگچہ، دیگچی، گلاس وغیرہ ضروری برتن اکٹھے کر رہا ہوں۔ اِسی حالت میں بیدار ہو گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعد میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۹ء تک ہم کو ربوہ میں رہنے کا موقع ملا۔ جہاں بچوں کی تعلیم وغیرہ کی تکمیل ہوئی۔

---

(۵۰) ۲۵/۲۴ مارچ ۱۹۵۳ء بمقام روجہان بوقت شب دیکھا۔ جیسے مَیں روضۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہؤا ہوں۔ سامنے نظر اُٹھائی تو معلوم ہؤا جیسے دروازہ کھُلا ہؤا ہے اور کچھ آدمی زیارت کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ مَیں بھی آگے بڑھتا ہوں اندر جانے کا راستہ کھُلا ہؤا ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں اندر کا دروازہ

تو نہیں کھولتے ۔ آج اچھا موقع ہے ۔ روضہ کے سامنے ایک چھوٹی سی دیوار ہے ۔ اُس سے گھوم کر راستہ اندر جاتا ہے ۔ اُس راستہ سے مَیں آگے بڑھتا ہوں ۔ اندر جا کر معلوم ہوتا ہے کہ سامنے مزار ہیں ۔ جب اَور آگے بڑھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت فاطمہ علیہا السلام اور اُن کے پہلو میں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام لیٹے ہوئے ہیں ۔ اُن کے صرف سر اور چہرے نظر آ رہے ہیں ۔ اور جیسے جاگ رہے ہوں ۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اچھا موقعہ ہے ۔ ان کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کر لوں ۔ چنانچہ آگے بڑھ کر پہلے جدّہ محترمہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سر مبارک کو دونوں ہاتھوں سے چھوتا ہوں ۔ پھر حسنین علیہما السلام کے مبارک سروں کو ہاتھ لگاتا ہوں ۔ اُس وقت ان بزرگوں سے نہایت عمدہ خوشبو آتی ہے جو مجھے محسوس ہو رہی ہے ۔ طبیعت میں ایک قسم کا سرور ہے اور تسکین محسوس کرتا ہوں ۔ یہ کیفیت بیدار ہونے کے بعد بھی تمام دن رہی ۔" الحمد للہ علیٰ ذالک ۔

---

۱۵) $\frac{۲۴}{۲۵}$ مارچ ۱۹۵۳ء ۔ کچھ دیر کے بعد پھر خواب میں دیکھا بہت سی

عورتوں کا مجمع ہے۔ مَیں اُن میں قرآن کریم کا درس دے رہا
ہوں۔ سورۃ نہ بہت لمبی ہے نہ بہت چھوٹی۔ لیکن درس بہت
لمبا ہوگیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کیوں نہ ساری سورۃ ختم کرلوں۔
حاضرین میں سے بعض محسوس کر رہے ہیں کہ دیر ہو رہی ہے۔ پھر
معلوم ہُوا کہ اس سورۃ کے دو۲ حصّے ہیں۔ ایک ختم کر چکا ہوں
اور ایک باقی رہتا ہے۔ چنانچہ درس ختم کر دیتا ہوں۔"

(اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قرآن کریم کا درس دینے کا گھر
میں موقعہ ملتا رہا۔ اور رشتہ دار عورتیں اور بچیاں شامل ہوتی
رہیں۔ دو۲ دفعہ قرآن کریم کا درس پُورا کرنے کا موقعہ ملا۔ جس
سے خاندان کی بچیوں میں قرآن کریم کا شوق پیدا ہُوا۔ بعض
نے ناظرہ اور بعض نے ترجمہ کے ساتھ قرآن شریف ختم کیا۔
الحمد للہ علیٰ ذالک)

---

(۵۲) ۲/۳ اپریل ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ پسرم عزیزم
محمد مبشر سلمہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ ہم اپنے کنوئیں پر
گئے ہیں۔ یہ وہیں نماز پڑھ رہا ہے۔ تمام نماز اونچی آواز سے
پڑھتا ہے اور ساتھ کے ساتھ ترجمہ بھی کرتا جاتا ہے۔ رکوع

سجود وغیرہ کر رہا ہے۔ میں ایک طرف لیٹ کر اُس کی نماز اور ترجمہ سُن کر حیران ہو رہا ہوں کہ اس کو ترجمہ کہاں سے آ گیا۔ اسی طرح پڑھتے پڑھتے وہ سجدہ میں جاتا اور سُبحانَ ربّیَ الاعلیٰ پڑھتا ہے اور اس کے ترجمہ کے طور پر کہتا ہے "مَیں صوبہ ہوں ربِّ اعلیٰ کا۔ سُبحانَ ربّیَ الاعلیٰ مَیں صوبہ ہوں ربِّ اعلیٰ کا" یہ ترجمہ سُن کر مجھے مسرّت ہوتی ہے۔ اور کہتا ہوں۔ ربِّ اعلیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں کہ اس کو اپنا صوبہ بنا دے۔"

(مارچ ۱۹۷۳ء میں عزیزی محمد مبشر بفضلہٖ تعالیٰ بطور S.D.O سب ڈویژنل آفیسر محکمہ بلڈنگز میں تعیّنات ہوا۔ الحمدللّٰہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے رُوحانی اور جسمانی طور پر اُس کے مدارج کو بڑھائے اور اپنا مقرّب بنائے۔ آمین)

---

(۵) ۲۱/۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ مَیں خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے کی جگہ پر ہوں۔ اِرد گرد بہت سی قبریں نظر آتی ہیں۔ خواجہ صاحب بھی موجود ہیں۔ جیسے ان کے ہاتھ میں ایک رسّی ہے جو سَن کی بٹی ہوئی ہے۔ اس کا رنگ مائل بہ سفیدی ہے۔ یہ رسّی بتدریج اُونچی ہوتی چلی جاتی ہے اور اُوپر جا کر پھر مغرب

کی طرف قوس کے رنگ میں جُھکتی چلی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے۔ خواجہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کچھ کہہ رہے ہیں۔

اس کا ایک مصرعہ میں نے سُنا جو یہ ہے۔ ع

اے بالا بلندی تو سروِ کمندی

وہ رسّی جو خواجہ صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ پہلے تو مدھم اور پتلی سی معلوم ہوتی ہے بعد میں بتدریج نمایاں اور موٹی ہوتی چلی گئی۔ حتّٰی کہ ایک اچھے مضبوط بٹے ہوئے رسّے کی طرح صاف نظر آنے لگی۔ خواجہ صاحب کے متعلق اُس وقت میرے دل میں اچھے عقیدت کے خیال ہیں۔ اور ایسا محسوس کرتا ہوں کہ خواجہ صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ براہِ راست تعلقات ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے میں ایک مضبوط، فربہ، تندرست اور ہیبت گھوڑی پر سوار ہوں اور ایسا محسوس کر رہا ہو کہ یہ گھوڑی مجھے خواجہ صاحب نے عنایت فرمائی ہے۔ اور اُس رسّی کا ایک سرا میرے ہاتھ میں دیا گیا کہ جتنا مرضی ہو اُتنا لے لو۔ اس پر میں نے رسّی سے ایک بڑا سا احاطہ کی طرح گھیرا ڈال کر بنا لیا۔" الحمد للہ۔ اِس

سے مراد رُوحانی اور مالی فتوحات تھیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت مسیح موعود ...... کی دعوتِ مباہلہ کے اشتہار پر آپ کی تصدیق کی تھی اور عربی میں مخلصانہ خطوط لکھے تھے جو انجام آتھم اور دوسری کتب میں شائع ہوئے۔ آپ ایک عالم باعمل بزرگ تھے۔ آپ کا مزار مٹھن کوٹ کے مقام پر مرجعِ خلائق ہے۔ اور ہمارے گاؤں عمرکوٹ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلہ پر جانبِ شمال دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے)۔

---

(۵) ۱۸/۱۹ مئی ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے مَیں اپنے کسی کام سے جا رہا ہوں۔ ریت والا علاقہ ہے۔ جاتے ہوئے مجھے ڈبیہ کی طرح کیپسٹ نما چیزیں ملی ہیں (خواب میں اُن کا انگریزی نام یاد تھا۔ بعد میں بھول گیا) ان میں خالص شہد بھرا ہُوا ہے ان پر (فرانس میں بنی) Made in France لکھا ہُوا ہے۔ معلوم ہُوا کہ یہ کیپسٹ فرانس والوں نے علاقے میں پھیلا دیئے ہیں۔ ان میں خود بخود شہد اکٹھا ہو جاتا ہے۔ جوں جوں مَیں آگے بڑھتا ہوں یہ شہد سے بھری ہوئی کیپسٹ (ڈبیاں) اکٹھی کرتا جاتا ہوں۔ اور یہ کثرت سے مجھے ملتی جاتی ہیں۔ حتیّٰ کہ مَیں ایسی جگہ پہنچ

جاتا ہوں۔ جہاں اُن کی کوئی کان ہو۔ مَیں سمجھتا ہوں جیسے کوئی بڑی دولت ہاتھ آگئی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب۔ قرآن کریم میں شہد کو شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ بھی فرمایا گیا۔ اور جنّتیوں کی غذا بھی الحمد للہ علیٰ ذالک)۔

---

(۵۵) ۲۳/۲۴ اگست کی درمیانی شب کو دیکھا۔ مَیں ایک ریل گاڑی میں سوار ہوں اور دروازہ کے پاس کھڑا ہوں۔ نہایت عاجزی اور رِقّت سے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کر رہا ہوں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" بار بار عاجزی سے دُہرا رہا ہوں۔ اُسوقت گاڑی ایسی جگہ سے گزر رہی جیسے پہاڑی علاقہ ہے نیچے گہری کھائی کے اُوپر سے گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نظارہ دل پر اثرانداز ہو رہا ہے۔ اُس وقت مَیں ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اور محسوس کرتا ہوں کہ مَیں بالکل گاڑی کے دروازہ میں کھڑا ہوا تھا" الحمد للہ۔

(۵۶) ۲۹/۳۰ اگست ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دیکھا جیسے مَیں حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت پر غور کر رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ "بڑا عجیب واقعہ ہے اور حیرت انگیز ہے کہ لوگ

ایسے کام پر مجبور ہو جاتے ہیں جو اُن کی مرضی کے خلاف ہو۔ امام حسین علیہ السلام کے لئے اُن کے دل رو رہے تھے اور ہاتھ اُن کو قتل کر رہے تھے۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ میں اونچی آواز سے چیلنج کے رنگ میں کہہ رہا ہوں :-

"الحقّ مع العلیّ والعلیّ مع الحقّ"

لوگوں کا ایک بڑا مجمع ہے۔ اس میں یہ الفاظ کہہ کر کہتا ہوں۔ کہ کوئی ایک واقعہ بتایا جائے جب یہ بات غلط ثابت ہو۔ کوئی شخص اس بات کی تردید ہرگز نہیں کر سکتا۔ ایک شخص کچھ اعتراض کرتا ہے لیکن میں اُس کا مسکت جواب دیتا ہوں۔ اور پھر دُہراتا ہوں۔ "الحقّ مع العلیّ والعلیّ مع الحقّ"۔

واللّٰہ اعلم بالصّواب۔

---

(۵۷) ۲/۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات کو خواب میں دیکھا۔ جیسے محرّم کا موقعہ ہے۔ مختلف مقامات پر مجالس ہو رہی ہیں جو زیادہ کامیاب نہیں۔ پھر دیکھا کہ خاکسار کے ماموں زاد بھائی منظور حسین شاہ کی ڈیوڑھی پر مجمع اکٹھا ہے۔ اُس میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

تقریر کر رہے ہیں۔ کچھ اور معززین بھی ہیں۔ چوہدری صاحب کو میں دو تین بار دیکھ کر گزر جاتا ہوں۔ اور وہ مجھے دیکھتے ہیں تقریر کے بعد وہ موقعہ پاکر میری طرف بڑھتے ہیں اور میرے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ پھر جیسے میں اُن کے لئے وضو کے واسطے پانی لینے گھر جاتا ہوں اور جلدی کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ باقی وضو تو وہ کر چکے ہیں صرف پاؤں دھونے ہیں۔ واپسی پر میں دوبارہ اُن سے ملتا ہوں جیسے اُس وقت وہ ہمارے رشتہ داروں سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ امیر المومنین تو اپنی ذات کیلئے لوگوں سے نہ مانگتے تھے۔ پیر المومنین کو بھی اپنے لیے نہیں مانگنا چاہیئے ۔"

(اُن دنوں ہمارے رشتہ داروں میں محرّم کے موقع پر تعزیہ کے بارہ میں باہمی نزاع تھی۔ دراصل ذاتی اختلاف کی بناء پر اس بات کو آڑ بنالیا تھا۔ اور خطرہ تھا کہ لڑائی ہو کر قتل وغیرہ تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ یہ بات بذریعہ حُکّام ہماری طرف کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں طے ہو گئی۔ اس طرح خواب کی ایک تعبیر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو دیکھنے کی پوری ہو گئی۔ الحمدُ لِلّٰہِ علیٰ ذالک)۔

۱۵) ۲۸/۲۹ جنوری ۵۴ ۱۹ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہمارے ہاں آئے ہوئے ہیں۔ بہت خوش نظر آتے ہیں۔ ایک دن ٹھہرے ہیں۔ دوسرے دن ڈاک آئی ہے۔ ایک لفافہ پہلا پڑا ہے۔ دوسرا کُھلا ہُوا ہے۔ تیسرا میرے ہاتھ میں ہے۔ اُس کو پڑھنے کے لئے گھر میں مطالبہ کرتا ہوں۔ حضرت صاحب اِس موقعہ پر خاکسار سے دریافت فرماتے ہیں کہ مال کے شعبہ کے متعلق تم نے کیا جواب دیا؟ مَیں خاموش رہتا ہوں۔ پھر پُوچھتے ہیں کتنی چِٹھیاں اُن کی طرف سے آئی ہیں؟ مَیں عرض کرتا ہوں۔ تین۔ تب بہت ناراض ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اِس جگہ سے تمہیں جانا چاہیئے۔ یہ پُھڑشوں یعنی جاہل لوگوں کا مُلک ہے۔ ۱۰، ۱۱ سال تک یہ ویران رہے گا گرانی اور بارش وغیرہ کی کمی کے باعث۔ مَیں حضرت صاحب کی ناراضگی دیکھ کر معافی مانگ رہا ہوں"۔

(اس کے بعد اس علاقہ کے ایسے ہی حالات رہے۔ اور خاکسار بھی ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۹ء ربوہ میں بمع اہل و عیال سکونت پذیر رہا اور بچوں کی تعلیم کی تکمیل اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگئی۔ الحمد لِلّٰہ۔)

(۵۹) ۲۹/۳۰ جنوری ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ بہت بڑا مجمع ہے جو کعبہ کے پاس یا مکّہ میں ہے۔ کوئی مرکزی جگہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں بغیر تفریق کے سب مسلمان اکٹھے ہیں۔ احمدی بھی ہیں۔ سارے اکٹھے ہو کر دُعائیں مانگ رہے ہیں۔ مَیں بھی دُعا مانگ رہا ہوں مسلمانوں کی بہتری اور کامیابی کے لیے دُعا کر رہا ہوں۔ پھر جیسے حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کی نئی نظمیں اُونچی آواز سے پڑھ رہا ہوں۔ آخری نظم میں 'ہمارا، تمہارا اور کنارا' وغیرہ ردیف ہے۔ اسی اثر کے ماتحت صبح ذیل کی نظم تیار ہو گئی :-

۱۔ طوفان ہے زوروں پہ بہت دُور کنارا
اللہ ہے فقط بندۂ مومن کا سہارا

۲۔ ہے کفر کی آفاق پہ ہر سمت سیاہی
ایماں کا نظر پڑتا نہیں کوئی شرارا

۳۔ دِل ہاتھوں سے نکلا ہی چلا جاتا ہے سب کا
اے صاحبِ دل ایک نظر آج خدا را

۴۔ ہر راہ پہ اشرار نے ہیں ڈیرے جمائے
ہے اَوج پہ کفّار کی قسمت کا ستارا

۵ ۔ فُسّاق ہیں، فُجّار ہیں، غدّار ہیں ہر سُو

چھپائے ہوئے ہر بزم میں ابتک۔ ہیں نصاریٰ

۶ ۔ دجّال و اجاجیج سے مرعوب ہے مُسلِم

بھُولا ہے یہ تکبیر کا۔ توحید کا نعرا

تنظیم سے۔ تدبیر سے عاری ہے مسلماں

۷ ۔ تکفیر کی موجوں کا بہت تُند ہے دھارا

۸ ۔ آپس کی محبّت تو ہے مفقود سراسر

غیروں کی جُدائی یہ نہیں کرتے گوارا

نوٹ :۔ ۱۹۵۳ء کا سال تحریکِ ختمِ نبوّت کی آڑ میں مُلک میں فسادات کا سال تھا۔

---

(۶۰) یکم اگست ۱۹۵۲ء کو خواب میں دیکھا کہ میرے متعلق کوئی فرمان لکھا جا رہا ہے۔ جیسے کوئی آقا اپنے منشی کو لکھواتا ہے۔ پہلے خاکسار کو بارہ صد روپیہ دینے کے لئے حکم لکھوایا گیا۔ بعد میں کچھ وقفہ کے بعد کہا گیا۔ اچھا سولہ صد دیا جائے۔ گویا دوسری ضروریات کو بھی مدِّ نظر رکھ کیا گیا۔ (الحمدللہ ثمّ الحمدللہ۔ ان دنوں ایک رقم جو بارہ صد روپیہ کے قریب تھی قابلِ ادا تھی۔ دُعا کر رہا تھا۔ نیز

دوسری ضروریات کے لیے بھی)۔

---

(۶۱) ۴/۵ اگست ۱۹۵۴ء کی درمیانی شب کو خواب میں دیکھا۔
مَیں کہیں دُور جا رہا ہُوں۔ کھلا میدان اور دُور دُور بستیوں والا
علاقہ ہے۔ اُسی جگہ رمضان خان ڈیوانی بلوچ کی جگہ آ جاتی ہے۔
مَیں اُس کو بلواتا ہوں۔ پھر اُس کے ساتھ اُس کے گھر جاتا ہوں۔
اُس کی بیوی لیٹی ہوئی ہے۔ یہ اُس پہ ناراض ہو رہا ہے کہ کام
میں سُستی کرتی ہے۔ مَیں اُس کو سمجھاتا ہوں کہ اتنی بڑی عمر کے بعد
عادت راسخ ہو جاتی ہے۔ اگر تمہارا خیال درست ہو تب بھی
اس میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ پھر دیکھا اُس کے دو بچے ہیں وہ دونو (۱۲
دَوڑتے پھرتے ہیں۔ اُن کی صحت اچھی ہے۔ مَیں اُن کے سروں
کے اُبھار کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کا بھی سر کے پیچھے
اُبھار ہے جیسے ان کے باپ رمضان خان کا ہے۔ ان میں سے
ایک دَوڑتا ہوا میرے قریب آتا ہے۔ مَیں اُس سے پُوچھتا ہوں
تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے نام بتایا جو بعد میں مجھے یاد نہیں رہا
پھر پُوچھا۔ تُو کس کا بیٹا ہے؟ تو اُس نے کہا۔ رمضان کا۔ پھر
پُوچھا۔ تم کون ہو؟ تو بولا ڈیوانی۔ پھر بھاگتا ہوا چلا گیا۔

رمضان خان ڈیوانی بلوچ کافی عرصہ میرے پاس رہا بیماری میں اُس کا علاج بھی مَیں نے کرایا۔ پھر اُس کی شادی بھی میری ہی تحریک پر ہوئی۔ اُس کی عمر کافی بڑی ہو چکی تھی۔ ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک کے لیئے مجھے اس کو نصیحت کرنی پڑی۔ اس کے گھر پہلے ایک لڑکی تھی۔ اِس خواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے دو لڑکے بخشے۔ ایک کا نام محمد علی ہے اور دوسرے کا دین محمد۔ اِن دو بچّوں کے بعد رمضان خان فوت ہو گیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ بچّوں کا حافظ و ناصر رہے۔ آمین)۔

---

(۶۲) اگست ۱۹۵۴ء کو دیکھا۔ کوئی کہہ رہا ہے "لوگوں نے امامِ زمان کو صدقہ کا بکرا مقرر کر رکھا ہے۔" (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باعث جو ابتلاء آتے ہیں اس کا الزام امامِ وقت پر لگا دیتے ہیں کہ اُس کی وجہ سے فلاں تکلیف آئی۔ واللہ اعلمُ بالصواب)۔

اللہ تعالیٰ، اُس کے انبیاء و مامورین، ائمہ اور مجدّدین، نیز دوسرے نیک بزرگوں کے متعلق انسان ادب اور اطاعت کے مقام پر رہ کر ہی فیضیاب ہو سکتا ہے۔ کبھی ایک بات سے ہی

پکڑا جاتا ہے۔ اس لیئے احتیاط کرنی چاہیئے۔ نکتہ چینی اور عیب گیری ہر حالت میں بُری ہے۔ (وَمَا قَدَرُ اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ)

---

(۶۳) ستمبر یا اکتوبر ۱۹۵۴ء میں دیکھا۔ کوئی میرے بیٹے عزیزم محمد مبشر کا نام محمد بشیر شاہ کہہ کر بُلا رہا ہے۔

---

(۶۴) ۲۸ نومبر ۱۹۵۴ء۔ کچھ منذر خواب دیکھے۔ اُن میں سے ایک میں ایک تعلق رکھنے والے شخص کی تکلیف کا نظارہ تھا۔ جس میں ہمارے رشتہ داروں کا دخل ہے۔

---

(۶۵) ۲۷/۲۸ نومبر ۱۹۵۴ء کی درمیانی رات کو دیکھا، ہم ایک کمرے کے اُوپر پیمائش کر رہے ہیں۔ پھر دیکھا ہم اُس کمرہ کے اندر ہیں۔ خاکسار کی اہلیہ لیٹی ہوئی ہے۔ جیسے بچّہ ہونے والا ہو۔ پھر دیکھا کہ یکے بعد دیگرے بچّے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور میں لے کر لپیٹ کر ایک طرف کمرے کے فرش پر لٹاتا جاتا ہوں۔ تعداد میں یہ بچّے میرا خیال ہے کہ سات ہیں اور تندرست ہیں۔ پھر کچھ عزیز رشتہ دار آنے لگتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بچّہ کی

پیدائش کے وقت یہ بھی رسم ہے کہ عورت کو ناک میں لونگ بھی پہنایا جاتا ہے۔ (لونگ سونے کا زیور ہے جو ناک چھید کر ایک طرف ڈالا جاتا ہے۔ اس کو ہماری ملتانی زبان میں پوپہ کہتے ہیں) چنانچہ ہر بچہ کی پیدائش کے ساتھ ناک میں لونگ خاکسار کی اہلیہ کو پہنایا جاتا ہے جو مجھے نظر آ رہے ہیں۔ بعض دفعہ دو لونگ اکٹھے نظر آئے۔ شاید یہ دو بچوں کی پیدائش کی وجہ سے تھے"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(اس خواب کے بعد میری لڑکی عزیزہ منصورہ فاطمہ کی پیدائش ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ اس کی بڑی ہمشیرہ عزیزہ بشریٰ فاطمہ ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئی۔ ان کا بھائی عزیزم محمد مبشر ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکی، تقویٰ، عمر و صحت، بخت و نسل میں برکت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

انسان کو اصل عزت اور اکرام تو تقویٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی زیادہ عزت و اکرام والا ہے۔

یا حضرت مسیح موعود...... کا الہام ہے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے ❊ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

یا فرمایا ؂

اے عقل و ہوش والو یہ عبرت کا ہے مقام
چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہو ویں کام

سو ہماری دُعا ہے۔ اللہ ہمیں اور ہماری تمام اولاد کو تقویٰ عطا فرمائے تا اِس کے نتیجہ میں تمام برکات سے وافر حصّہ ملے اور ہر ایک قسم کی تکالیف سے امن میں رہیں۔ آمین
لونگ پہننے سے شاید یہ مراد ہو کہ آئندہ نسلوں میں یہ اولاد ہوگی۔ ان کی ترقی ہمارے لیئے باعثِ زینت ہوگی۔ انشاءاللہ)

---

(٦٦) اُسی رات کچھ دیر کے بعد دیکھا کہ صحت کے لیئے بعض ہدایات عربی میں لکھی ہیں۔ یہ چار ہدایات مندرجہ ذیل صورت میں تحریر تھیں دو تو یاد رہیں، دو یاد نہیں رہیں۔

(١) یَقْظَۃٌ وَّنَوْمٌ

(٢) اِحْتِیَاطٌ فِیْ آخِرِ سَنَۃٍ

(٣) ——————

(٤) ——————

(معلوم ہوتا ہے کہ بچّوں کے سلسلے میں ہیں۔ ہمارے تین بچّے

بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔

---

(۶) ۶/۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کی درمیانی رات کو دیکھا۔ کسی بڑے قبرستان میں ہوں۔ جہاں پُرانے زمانہ کی بنی ہوئی پختہ قبریں اور مختلف آثارِ قدیمہ ہیں۔ کچھ اَور لوگ بھی میرے ساتھ ہیں۔

چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک بیان کی جاتی ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک ہی کمرہ میں اندر اکٹھی پختہ قبریں ساتھ ساتھ بنی ہوئی ہیں۔ میرا مُنہ قبروں کی طرف ہے۔ دائیں ہاتھ والی قبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور آپ کے ساتھ ملی ہوئی ایک قبر ہے۔ یہ معلوم نہیں کِس کی ہے۔ اس قبر کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی قبر ہے اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کی قبر ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی قبریں ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ ویسے تو ساری قبریں ایک ہی قطار میں ایک ہی چبوترے پر ہیں مگر یہ دونوں قبریں آپس میں بہت ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مَیں نے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پہلے پہل دیکھی تو مجھ پر رِقّت طاری ہوگئی اور مَیں دُعا مانگنے لگ گیا۔ پھر آگے بڑھ کر دوسری

قبریں دیکھیں جیسے اُوپر ذکر کر آیا ہوں۔ پھر اُسی قبرستان میں دوسری
قبریں دیکھنے چلے گئے۔ آخر مَیں پھر اپنے ساتھیوں کو کہتا ہوں
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرلوں۔
پھر مَیں لوٹ کر حضورؐ کی قبر مبارک پر آیا۔ اِس دفعہ ایسا معلوم
ہوُا کہ قبر کے سرہانے کی طرف کتبہ کی جگہ ایک شیشہ لگا ہوُا ہے
اگر آگے جُھک کر دیکھا جائے تو صاحبِ قبر کی تصویر اُس شیشہ
میں نظر آجاتی ہے چنانچہ مَیں نے آگے جُھک کر شیشہ میں دیکھا تو
(۶۸) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شبیہ مبارک نظر آئی
مبارک سر پر دستار ہے اور بال کان کی لَو تک بڑھے ہوئے
نظر آئے۔ ریش مبارک چہرہ پر زیب دے رہی ہے لیکن بہت
لمبی نہیں۔ ایک مُشت کے قریب ہے۔ لبوں کے بال آگے سے
ترشے ہوئے ہیں۔ بہت ہی شریفانہ اور باوقار چہرہ ہے۔ پیشانی
مبارک پر پُوری نظر نہیں پڑتی جیسے اُوپر سے کسی چیز کا سایہ پڑ رہا
(۶۹) ہو۔ پھر مَیں غور سے دیکھتا ہوں کہ کیسی ہے۔ دیکھنے پر معلوم ہوتا
ہے ایسی بھی نہیں جیسے پتلی دھار سی ہوتی ہے اور نہ ہی موٹی ہے
متوسط اور اُونچی ہے۔ مَیں کوئی مشابہت شبیہ مبارک کی ذہن میں
لانا چاہتا ہوں۔ یہ شبیہہ میں جیسے میرا اپنا چہرہ نظر آتا ہے مَیں

سوچتا ہوں کہ میں بھی تو حضورؐ کی نسل سے ہوں شیشہ میں میرا عکس
مجھے نظر آتا ہے تو محسوس کرتا ہوں کہ حضورؐ کے چہرہ سے کچھ
مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ جیسے آباء و اجداد کے ساتھ اولاد
کچھ مشابہت رکھتی ہے۔

(اس کے بعد مختلف نظارے اور بھی دیکھے۔ قبروں سے
مراد رُوحانی مقام بھی ہو سکتے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک)

---

(۶۸) ۲۹/۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء کی درمیانی رات جو جمعہ کی رات تھی۔
ایک مبشّر خواب دیکھا۔ ایک خوبرو اور نوجوان عورت نظر
آئی جس کی جانب میری توجّہ نہ تھی لیکن وہ میری طرف متوجّہ
تھی۔ بعد میں کچھ مالی فتوحات کا نظارا دیکھا جیسے کمیٹی بھی نکل
آئی ہے۔ غالباً پہلے نظارہ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔ الحمد للہ۔

---

(۶۹) ۴/۵ جنوری ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ میں کسی مسجد میں
ہوں۔ جو غالباً اہلِ سُنّت والوں کی ہے۔ ایک تقریر کر رہا
ہوں۔ اس میں لوگوں کو نماز کے بعد درسِ قرآن کی طرف
توجّہ دلا رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں روزگار کی

طرف توجہ اور انہماک کی وجہ سے درس میں شامل نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کا مدار کوشش پر نہیں بلکہ اس کا تعلق آسمان سے ہے۔ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے تو آسمان پر فیصلہ کے مطابق زمین پر اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اُس شخص کی کوشش کا درست نتیجہ نکلتا ہے ورنہ ناکام رہتا ہے۔"

---

(۷۰) ستمبر ۱۹۵۶ء - ایک بلوچ نوجوان جو سیالاف بلوچ قوم سے تھا اور بیمار تھا۔ بظاہر اُس کی بیماری معمولی معلوم ہوتی تھی اُس کے لیئے دُعا کی گئی۔ رات کو دیکھا "ہیبتناک"۔ بیدار ہونے پر دوبارہ دُعا کی گئی۔ اسی شب گھر سے بیماری کی اطلاع بھی ملی۔ اُن کے لیئے بھی دُعا کرتا رہا۔ دوسری دفعہ دیکھا۔ خاکسار کے چچازاد بھائی فضل حسین شاہ کہہ رہے ہیں۔ اس نے نہیں بچنا۔ پھر تیسری بار تہجّد کی نماز پڑھ کر اُس بیمار اور اپنے گھر والوں کے لیئے دُعا کی۔ اِس دفعہ دیکھا جیسے بہت سخت طوفان پانی کا آیا ہے۔ بیوی بچے بھی میرے ساتھ ہیں۔ مَیں کشتی ڈھونڈ رہا ہوں

لیکن دیکھا کہ کشتی بچے دوسری طرف لے گئے ہیں اُن کو آوازیں دے رہا ہوں اور دھمکا رہا ہوں کہ واپس لے آؤ۔ چنانچہ وہ کشتی واپس لے آئے۔ پھر طوفان بھی تھم گیا۔ پانی بھی کم ہو گیا۔ میں بمع اپنے بال بچوں کے کشتی میں سوار ہو گیا۔"

(چنانچہ اس کے مطابق ہی ظہور میں آیا۔ وہ بلوچ نوجوان خلافِ توقّع فوت ہو گیا اور خاکسار کی اہلیہ اور بچے تندرست ہو گئے۔)

---

(۷) ۲۸/۲۹ ستمبر ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو دیکھا جیسے دو امام تشریف لائے ہیں۔ وہ مجھے نظر نہیں آئے لیکن اُن کی آواز سُنائی دی۔ ایک نے فرمایا:-

اَنَا بَاقِرُ وَ کَشَّافُ الْعُلُوْمِ

دوسرے نے بھی اسی طرح کا فقرہ کہا۔ یعنی اپنا نام لیا اور پھر اپنی ایک صفت بیان فرمائی۔ اُس وقت یہ فقرہ یاد تھا بعد میں بھول گیا۔ ہو سکتا ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہوں۔ کیونکہ اکثر اُن کی دُعائیں قرآن کریم کی تلاوت کے بعد روزانہ پڑھتا ہوں۔ جو صحیفۂ کاملہ کی صورت میں بطور کتاب

شائع ہوئی ہیں۔

(۷۲) جنوری تا ستمبر ۱۹۵۶ء کے درمیانی عرصہ میں میر بلخ شیر مزاری (جو روجھان ضلع ڈیرہ غازیخان میں مزاری قوم کے سربراہ ہیں) کے متعلق تین خواب دیکھے:

شروع جنوری ۱۹۵۶ء پہلی دفعہ دیکھا کہ مزاری سردار جو میر بلخ شیر کی پارٹی کے ہیں سب اکٹھے ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ اُن کی آمد سے قبل جیسا کہ معززین کے لیئے انتظام کیا جاتا ہے مَیں کرسیاں وغیرہ بھجوا رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں مہمان کی عزّت کرنا ہمارا دستور ہے۔ ہم اُن کو عزّت کے ساتھ بٹھائیں گے اور ملینگے۔ چنانچہ باقی سردار سب پہلے آکر بیٹھ گئے اور میر بلخ شیر صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ یہ سب غالباً صلح کی بات چیت کے لیئے آئے ہیں۔ آخر میں میر بلخ شیر صاحب بھی آجاتے ہیں اور ہم اُن کے لیئے احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پہلے برادرم عبدالحق شاہ اُن کو ملتے ہیں اور یہ دونوں آپس میں مصافحہ کرتے ہیں لیکن مصافحہ کے ساتھ ہی دونوں زور لگاتے ہیں۔ برادرم عبدالحق میر بلخ شیر کا ہاتھ مروڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ صلح کی بات چیت کے بغیر یہ لوگ چلے جاتے ہیں۔

(غالباً ۱۹۵۶ میں برادرم عبدالحق شاہ الیکشن کے موقعہ پر اُن کے مخالف رشتہ داروں کے ایماء پر میر بلخ شیر صاحب کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے۔ برادرم میرے پاس مشورہ کے لئے آئے تو مَیں نے مشورہ دیا کہ یہ اُن کا خاندانی اختلاف ہے، ذاتی طور پر ہمیں اُن سے کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیئے ہم دخل نہ دیں تو بہتر ہے۔ کہنے لگے مَیں فریقِ مخالف سے وعدہ کر چکا ہوں اور اب میرے نام کے اشتہار بھی چھپ کر آ چکے ہیں۔ آج آخری دن ہے اور وہ کوئی دوسرا امیدوار کھڑا نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس سے پہلے الیکشن میں میر صاحب کے مقابل پر کھڑا ہونے والا غلام قادر رونیس قتل کر دیا گیا تھا۔ تب مَیں نے اُن کو اجازت دی کہ وہ اپنا وعدہ پُورا کریں تا وعدہ خلافی کی وجہ سے اُس فریق کے ساتھ دھوکہ دہی کا ارتکاب نہ ہو۔ نیز کہا کہ قتل وغیرہ کا خدشہ درست نہیں کیونکہ خدا کے سوا دوسرے کا ڈر شرک میں داخل ہے۔ مَیں نے اُن کو اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے گا۔ ساتھ ہی کہا کہ اب مشورہ کا وقت گزر چکا ہے۔ پہلے مشورہ کرتے تو بہتر تھا۔ بہرحال الیکشن ہوا۔ مقابلہ بھی ہوا اور نتیجتاً میر بلخ شیر صاحب

جیسا کہ امید تھی کامیاب ہوئے)۔

(۷۳) دوسری دفعہ دیکھا کہ میر بلخ شیر صاحب کہیں باہر سے آئے ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ جیپ سے اُترے ہیں اور اُس شہر میں موجود ہیں۔

(یہ خواب بھی پُورا ہُوا۔ میر صاحب ایک دفعہ ہمارے گاؤں عمر کوٹ میں جیپ پر آئے۔ مَیں نے اُن کو اُترتے دیکھا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مَیں نے بھی اُن سے مصافحہ کیا)۔

---

(۷۴) تیسری دفعہ بھی اُن کو دیکھا جیسے اُن پر کمزوری کے اثرات ہیں۔

(یہ خواب بھی ایک لحاظ سے پُورا ہُوا۔ کیونکہ ۱۹۷۹ء کے بلدیاتی اداروں کے انتخابات کے موقعہ پر اُن کے مقابلہ میں اُن کے بھانجے شوکت خان مزاری کامیاب قرار پائے۔ میر بلخ شیر صاحب مزاری ہمارے ضلع کے کامیاب سیاست دان ہیں۔ اُن کے متعلق ۲۳/۲۴ اگست ۱۹۸۱ء کو دیکھا کہ اگر وہ عوام کے ساتھ اپنا ذاتی تعلق پیدا کریں تو اُن کا رسوخ بڑھ جائے گا۔

وہ ایک بڑی قوم مزاری کے سربراہ ہیں۔ ذاتی طور پر وہ صُلح جُو، حوصلہ مند، بُردبار شخصیّت کے مالک ہیں۔ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا ہے وہ اِس ضلع کی سیاست میں ہر موقع پر کامیاب

رہے ہیں۔ اب اُن کی اولاد اور خاندان کی نئی نوجوان پود کی دخل اندازی اور خود روی کے باعث کچھ کمزوری پیدا ہو رہی ہے۔ نوجوان خون کچھ تیز اور گرم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبوّت کی عمر بھی چالیس سال رکھی ہے ؎

وہ عمر جس میں کہ پاتی ہے عقل نُور و جلا
تم اس کو شَیب کہو ہم شباب کہتے ہیں
(کلامِ محمود)

یہ خاکسار کی ذاتی رائے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میر بلخ شیر صاحب مزاری۔ مزاری بلوچوں کے اس وقت سربراہ ہیں۔ ان کا شجرۂ نسب اور حالات "تذکرۂ رؤسائے پنجاب" میں بصورتِ ذیل دیا گیا ہے۔ موجودہ وقت کے مطابق کچھ اضافہ خاکسار نے کیا ہے۔

(شجرۂ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

از تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم اُردو ایڈیشن ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۴۱

جمال (متوفی)
مٹھا (متوفی)
گلشیر (متوفی)
دوست علی (متوفی)
شاہ علی (متوفی)
کمال (وفات ۱۸۰۱ء)
میر بہرام خان (وفات ۱۸۳۷ء)
دوست علی خان (وفات ۱۸۶۷ء)
نواب بہرام بخش کے سی آئی (وفات ۱۹۰۳ء)
رحیم خان (وفات ۱۸۸۵ء)
شیر محمد خان (وفات ۱۸۸۳ء)
نواب بہرام خان سی آئی ای (ولادت ۱۸۵۱ء)
صوبیدار خان (ولادت ۱۸۸۳ء)
غلام حیدر خان (ولادت ۱۸۸۲ء)
عطا محمد خان (ولادت ۱۸۸۴ء)
خیر محمد خان (وفات ۱۸۸۳ء)
دوست محمد خان (ولادت ۱۸۸۶ء)
مراد بخش خان (ولادت ۱۸۸۸ء)
ولی محمد خان (ولادت ۱۸۹۰ء)
عاشق محمد خان
غوث بخش خان (ولادت ۱۸۸۲ء)
بہرام خان
میر بلخ شیر خان
شیر جان خان
شیر باز خان
عبدالرحمن خان (ولادت ۱۸۹۰ء)
دوست محمد خان (ولادت ۱۸۹۲ء)
خان محمد خان (ولادت ۱۸۹۵ء)
طارق محمود خان
زاہد محمود خان
ریاض محمود خان
ٹلو خان (ولادت ۱۸۶۷ء)
جلب خان (وفات ۱۹۰۲ء)
تاج محمد خان
غلام قادر خان
جلال الدین خان (ولادت ۱۹۰۲ء)
نجم الدین خان (ولادت ۱۹۰۷ء)
فاروق خان
غلام سرور خان (ولادت ۱۸۹۷ء)
بشیر احمد خان
فیض احمد خان
رحیم یار خان (ولادت ۱۸۹۷ء)
صلاح الدین خان
محمد حسین خان
شوکت خان
لیاقت خان
عزیز محمد خان
فرحت عزیز خان
راحت عزیز خان
قدرت عزیز خان
مسرت عزیز خان
رفاقت عزیز خان

حالات از تذکرۂ رؤسائے پنجاب

قوم مزاری ایک بہت بڑی قوم ہے اور یہ ایک عرصہ
تک اس ضلع ڈیرہ غازیخان کے رند بلوچوں کی سب سے شورہ
پشت شاخوں میں سے ایک شاخ رہی ہے۔ خود قوم مزاری کی
چار شاخیں ہیں۔ جن کے نام رستمانی، بالاچانی، سیدانی اور
سرگانی ہیں۔ ضلع ڈیرہ غازیخان کا تمام جنوبی حصہ امرکوٹ
(عمرکوٹ) سے نیچے کی طرف اُن کے قبضے میں ہے۔ بہت سے
پہاڑی قطعات اور دریائے سندھ کے دونوں کناروں کی وہ
اراضیات اس علاقہ کی حدود میں داخل ہیں۔ جو سندھ اور
بہاولپور کی سرحدوں تک ممتد ہوتی ہیں۔ قوم مزاری کا ایک
بڑا فریق سندھ۔ آنروئے سندھ کے سرحدی ضلع اور ضلع شکارپور
کے تعلقہ اُباڑو میں آباد ہے۔ بالاچانی فریق کی گل شیرانی شاخ میں
سے ایک شخص اس مقتدر قوم کا تمندار ہے۔ اور خاص بالاچانی دراصل
مزاریوں سے علیحدہ ہیں اور ایک شخص مسمیٰ "ہوت" کو اپنا مورثِ
اعلیٰ بتاتے ہیں۔ ہوت قوم بلوچ کی پانچ شاخوں میں سے شاخ ہوت
کا بانی مبانی تھا اور اسی کے نام پر ان کا نام پڑا۔ علی نامی ہوت

کے ایک بیٹے کے دو بیٹے اسحاق اور بُنّو تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی کے اخیر اور سولھویں صدی کے شروع میں جبکہ عام طور پر بلوچ میدانی علاقوں میں آئے ہیں تو اسحاق کاشمور میں آکر آباد ہوا۔ جو اب سندھ کے سرحدی ضلع میں ہے۔۔۔۔۔

اسحاق کے ہاں دو لڑکے ہوئے۔ اُن میں سے بڑے کا نام بلوچ اور چھوٹے کا نام شدھین رکھا گیا۔ اِس طرح بلوچ کے نام پر بالاچانی قوم کا نام پڑ گیا۔ اس کی وفات پر قوم نے راجو کو سردار بنانا چاہا۔ مگر اس وقت ایک اندھیری اُٹھی اور اُس کی چھونپڑی گر گئی۔ اس سے بُرا شگون لے کر قوم نے شدھین کی اولاد میں سے بدھیل کو پگڑی پیش کی۔ اُس نے ماں کے مشورہ سے تین شرائط پر سرداری قبول کی۔

۱۔ قاتل یا عورت کے اغوا کرنے والے کو جلا وطن کیا جائے گا۔
۲۔ سردار کسی مہمان کے آنے پر قبیلہ کے افراد کے جانور ذبح کر سکیگا۔
۳۔ سردار کو حسبِ ضرورت ٹیکس لینے کا حق ہوگا۔

بدھیل کے وقت میں میر چاکر نامی ایک سردار کے ماتحت بلوچوں کی آمد وسط پنجاب میں شروع ہوئی۔ بدھیل خان نے اس کی مدد کی۔ بدھیل کے وقت میں مزاریوں اور اُن کے ہمسایہ چانڈیوں میں

بھی لڑائی ہوئی ۔ بدھیل خان ایک تیر سے ہلاک ہوا ۔ پھر مریوں کے ساتھ لڑائی میں اُس کے دو بیٹے حمل اور بلوچ مارے گئے ۔

میر حمال کے وقت مزاریوں اور دریشکوں میں بھی لڑائی ہوئی ۔ میر حمال کی وفات پر اُس کا بیٹا مٹھا خان جانشین ہوا ۔ مِٹھا خان کے بعد اس کا بیٹا میر گُل خان جانشین ہوا ۔ میر شاہ علی کا جانشین اُس کا بھائی دوست علی خان ہوا ۔ پھر دوست علی خان کا بیٹا حمال ثالث بیٹھا ۔ انہی دنوں ناصر خان والیئے قلات نے بگٹیوں کی مدد سے مزاریوں کا علاقہ لے کر امرکوٹ (عمرکوٹ) میں قلعہ بنایا ۔ میر حمال نے سندھ کے تالپوروں کی مدد سے اراضیات واپس لیں ۔ ۱۷۹۱ء میں خان قلات کے بروہیوں نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے امرکوٹ (عمرکوٹ) میں مستحکم قلعہ بنایا ۔ میر حمال ۱۸۰۱ء میں فوت ہوا ۔ اور میر بہرام جانشین ہوا ۔

اِن قوموں کا احمدیّت کے ذریعے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ سے بھی گہرا تعلق ہے ۔ تبھی اللہ تعالیٰ کی حکمت نے ان کی تعداد کو فوق العادت طور پر بڑھایا ہے اور یہ عرب کی طرح ایک سردار کے

ماتحت بڑے قبائل کی صورت میں منسلک ہیں۔ ان کے بارہ
میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت مولانا نورالدین (اللہ تعالیٰ
آپ سے راضی ہو) پر ایک انکشاف کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔
وھُوَ ھٰذا :-

"حضرت خلیفہ اوّل پر ایک انکشاف

ضمناً یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مولانا حکیم
نورالدین کے ریاست کشمیر سے واپس آجانے کے
ایک عرصہ بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ
عجیب انکشاف ہوا کہ کشمیر اور ہمالیہ کے دامن
میں آباد مُسلم آبادی کا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے ساتھ
ایک گہرا تعلق ہے۔ جس کا ذکر حضور نے مکرم سیّد
زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب سے بھی فرمایا۔
چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی روایت کے مطابق
حضور نے ارشاد فرمایا :-

"ساری رات مَیں جاگتا رہا اِس غم و فکر میں کہ
مسلمانوں کی نجات کیسے ہوگی۔ دجّالی فتنہ شدّت
سے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے

مسلمانوں کی کئی حکومتیں برباد ہو گئی ہیں۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد حسرت بھرے لہجے میں فرمایا۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ پورا ہو گیا۔ بہت ہی بڑا فتنہ جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

پھر فرمایا۔ خدا کا کلام پُر حکمت ہوتا ہے اور اس کے اندر ہی علاج بھی سمجھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ ہے۔ آپ نے کوہ ہمالہ سے شروع کرتے بلوچستان اور ڈیرہ غازیخان کے سب پہاڑی سلسلے گنے۔ اور فرمایا۔ ان پہاڑی قوموں کے اندر کوئی جائے اور ان میں زندگی پیدا کرے تو شاید ان میں حرکت پیدا ہو اور مسلمانوں کا بقیہ الباقیہ کسی طرح بچ جائے۔"

(تاریخِ احمدیت جلد ششم صہ ۳۹۵۔ بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان ۶؍جون ۱۹۳۵ء صہ ۷)

ضلع ڈیرہ غازیخان کے بلوچ سرداروں میں سے سردار

امام بخش خان تمندار قیصرانی کو حضرت مسیح موعود (اللہ تعا

کی آپ پر سلامتی ہو) کی دعا سے اپنی شدید مشکلات سے نج

پانے کے بعد بیعت کی سعادت کا شرف حاصل ہوا اور ا

ضلع کے دوسرے بلوچ سرداروں کو ۱۹۲۲ء میں شہزادہ و

کی آمد پر حضرت مسیح موعود ...... کے فرزند اکبر حضرت میر

بشیر الدین محمود احمد کے اعزاز میں ایک مظاہرہ کا شرف

جس کا ذکر جناب (لفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ) سردار محمد حیات

خان قیصرانی نے اپنے ایک مضمون "احسان کا پاس" رسا

خالد مارچ ۱۹۷۶ء میں کیا ہے۔

خدا کرے کہ عالمِ اسلام سے یہ تاریکی کے سیاہ باد

چھٹ کر دور ہو جائیں اور اسلام کا نور تمام عالم پر محیط

ہو جائے۔ آمین ثم آمین۔

سردار امام بخش خان صاحب قیصرانی کے خاندان

اللہ تعالیٰ اس بات کی توفیق بخشے کہ ضلع ڈیرہ غازیخان

دوسرے بلوچ سرداروں اور اُن کے قبائل کو اس آسمانی تحر

میں شامل کرنے کی سعادت پائیں جو خدائے قادرِ مطلق ا

رحمٰن الرحیم نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے
اپنے ہاتھ سے شروع فرمائی ہے۔ آمین ثمّ آمین۔

---

۷۷) شروع اکتوبر ۱۹۵۶ء خواب میں دیکھا کہ یہ دعا پڑھ رہا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ
وَاَغْنِنَا بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

یہ دعا مَیں نے پڑھی۔ اس کے بعد کسی نے کہا Sanction یعنی "منظور"۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)

---

۷) دسمبر ۱۹۵۶ء خواب میں دیکھا۔ مَیں کسی گرجا میں گیا ہوں۔ وہاں دیواروں پر مختلف تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ اُن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تصاویر کے ذریعہ مختلف عقائد کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہاں کچھ احمدی بھی ہیں۔ مجھ سے اُن تصاویر کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ مَیں ان کے مطالب کو سمجھتا ہوں۔ جو اِن میں ظاہر کیئے گئے ہیں۔ چنانچہ سامنے کی ایک تصویر کے متعلق امتحاناً مجھ سے پوچھا گیا۔ اُس تصویر میں ایک عمارت دکھائی گئی تھی جیسے اُوپر کی طرف اُٹھائی جا رہی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا

تھا کہ عیسےٰ علیہ السّلام آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ مَیں نے اُس کے متعلق بیان کیا کہ اِس تصویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ چوتھے آسمان پہ اُٹھائے گئے۔ لیکن اِس مفہوم کو درست سمجھتے ہوئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔ کیونکہ آپؐ کے متعلق آتا ہے۔ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنی آپؐ تمام آسمانوں کو عبور کر کے اَور بلند ہوئے۔ حتّٰی کہ خدا تعالیٰ اور آپؐ کے درمیان دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اور کوئی چیز درمیان میں نہ رہی۔"

(الحمد للہ علیٰ ذالک)

---

(۷۷) جنوری ۱۹۵۷ء۔ برادرم عبدالحق اور اُن کی اہلیہ کو خواب میں دکھا۔ جیسے اُن کی اہلیہ کے متعلق ایک لڑکے کی بشارت تھی۔ لیکن عبدالحق ایک لمبا عرصہ گزرنے کی وجہ سے اِس طرف متوجہ نہیں۔ اور مایوس سے ہیں۔

---

(۷۸) جنوری ۱۹۵۷ء۔ بچوں کو تعلیم کے لئے ربوہ لیجانے کے متعلق

استخارہ کیا۔ تو خواب میں دیکھا کہ "نذیر محمد میرا ساتھی ہے"۔ (چنانچہ بعد میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۹ء تک ربوہ میں رہنے کا موقعہ ملا اور بچّوں کی تعلیم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہوئی۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک۔)

---

۷) شروع فروری ۱۹۵۷ء خواب میں دیکھا کسی نے کہا "اَنْتَ رَاجٍ" اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ "رَاجٍ" کے معنوں پر غور کیا تو ذہن اس طرف گیا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن میں لفظ "رَاجِع" آتا ہے۔ اس کے معنے رجوع کرنے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کے ہیں۔ خواب میں "رَاجٍ" ہی سُننے میں آیا ہے اور جیسے عرب "ع" کو ظاہر کر کے بولتے ہیں ایسی آواز نمایاں نہ تھی۔ اس بات کے مدّنظر کہ یہ لفظ رَاجِع ہے، خدا تعالیٰ سے مَیں نے دُعا کی اور تین باتوں کی خواہش کی۔ (۱) یہ کہ بچّے چھوٹے ہیں ان کی کما حقّہٗ تعلیم و تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ عمر میں زیادتی اور برکت بخشے کہ ان کی نیک تعلیم و تربیت کر سکوں۔ اور ان کی نیکی، تقویٰ اور ترقی سے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ (۲) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہمارا رہنما ہو۔ (۳) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

مجھے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل بزرگوں کے علوم و برکات کا وارث کرے اور ان کو حاصل کرنے کے بعد میرا خاتمہ بالخیر اسلام اور ایمان پر شہادت مقبول کے ذریعہ ہو۔ اور ہمارے بزرگوں کی یہ سُنّت بھی پھر زندہ ہو جائے۔ اِس طرح ہمیں رفاقتِ محمدؐ اور ابرارِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں نصیب ہو۔ امین
هوالرّحمٰن الرّحیم وعلیٰ کلّ شئٍ قدیر۔

---

(۸۰) ۱۴/۱۵ فروری ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات کو دیکھا۔ کوئی امتحان ہو رہا ہے۔ مَیں ایک کوٹھے پر سو گیا ہوں۔ اِس اثناء میں پرچے ہو گئے ہیں۔ اسلم صاحب اور رسیر امتحان میں شامل ہو گئے ہیں اور مَیں رہ گیا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ M.E.O.X عبدالسلام مجھے بہت ڈھونڈتے رہے ہیں۔ اور ناراض ہوتے رہے ہیں کہ کہاں چلا گیا۔ اور مَیں اسلم صاحب کو کہہ رہا ہوں کہ مجھے جگا دیا ہوتا۔ سوالوں والے پرچے مَیں دیکھ رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ مَیں امتحان میں شامل ہو جاتا تو اچھا تھا۔" (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

---

۸۰) بمقام عمر کوٹ ۱۰/۱۱ رمضان ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ جیسے سامنے درخت پر اپنے گھونسلے میں ایک کبوتر نظر آیا۔ پھر ایک سیاہ لمبا سانپ دیکھا۔ جس نے اُس کبوتر پر حملہ کرکے دو دفعہ ڈسا۔ پھر دیکھا ایک شخص قریب سے ظاہر ہوا۔ اور اُس شخص کو ملامت کرنے لگا۔ اور وہ شخص عذر معذرت کرنے لگا۔ ایسا کہ کبوتر اور سانپ کو مارنے والا ایک ہی شخص ہے۔"

---

۸۱) اپریل ۱۹۵۷ء دیکھا کہ کوئی عورت عزیزہ منصورہ فاطمہ کو کہہ رہی ہے "جیویں۔ جیویں۔ جیویں" تین دفعہ اُس نے اس دُعائیہ کلمہ کو دُہرایا۔ (عزیزہ منصورہ کو ان دنوں بیماری اور اس کی بڑی بہن بشریٰ فاطمہ کے ہاتھوں گرنے سے صدمہ پہنچا۔ (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے نیکی اور عافیت سے لمبی عمر بخشے۔)

---

۸۲) شروع مئی ۱۹۵۷ء۔ بچوں کو ربوہ چھوڑنے دُعا استخارہ کرتا رہا کہ پاکستان سے میرا باہر جانا مفید رہے گا یا نہ؟ نیز ملازمت ترک کرکے ربوہ چلا جاؤں یا نہ؟ تو دیکھا کہ کوفہ میں دو ماہ قیام مفید رہیگا۔ (واللہ اعلم بالصواب۔ اسوقت اپنے گاؤں عمر کوٹ میں مقیم ہوں۔)

(۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۹ء ربوہ میں رہنے کا موقعہ ملا)

(۸۴) ۹/۱۰ مئی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ میں ایک ہوائی جہاز میں سوار ہوں۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ یہ ہوائی جہاز ایک احاطہ سے اُڑا۔ اوپر بلندی پر جاکر بہت عمدگی سے اُڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی خفیف سا جھٹکا محسوس ہوتا تھا۔ پھر یہ جہاز آرام سے احاطہ میں واپس آکر اُتر گیا۔

---

(۸۵) ۱۲/۱۳ مئی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو جبکہ بچّوں کی طرف سے ربوہ سے خط نہ ملنے کی وجہ سے فکر تھی۔ اور اضطراری حالت اور بے چینی تھی دُعا کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اُس نے اضطرار کی دُعا کو قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ آتے وقت عزیزہ منصورہ فاطمہ کی صحت اچھی نہ تھی۔ پھر اُسے عزیزہ بشریٰ کے ہاتھ سے پختہ فرش پر گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی تھی اور مجھے بوجہ ملازمت جلد آنا پڑا تھا۔ ایک خط لکھا گیا لیکن کوئی اطلاع نہیں آرہی تھی۔ اِسی طرح منی آرڈر کی رسید وغیرہ بھی نہیں ملی تھی۔ اِن وجوہات کے باعث پریشان تھا۔

"اسی شب کو خواب میں دیکھا۔ جیسے خاکسار کی اہلیہ نے

عزیزہ منصورہ کو اُٹھایا ہوا ہے اور میرے پاس لاتی ہے۔ میں نے اس کو لیکر اُٹھا لیا ہے۔ عزیزی مبشر اور عزیزہ بشریٰ بھی پاس ہی کھڑے ہیں۔ اس کے بعد خواب میں ہی جیسے اللہ تعالیٰ کے حضور دو نوافل شکرانے کے پڑھ کر خاکسار خاک پر سجدۂ شکر ادا کر رہا ہے۔" اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ چارپائی سے اُتر کر خاک پر ہی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس کے بعد قدرتاً طبیعت میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی اور اضطراب جاتا رہا۔ اور پھر ویسی اضطراری حالت کئی دن تک پیدا نہیں ہوئی (الحمد للہ والمنّۃ واحسانہ)

---

(۸۶) اُسی شب ایک نظارہ یہ بھی دیکھا کہ بچوں کو لے کر کسی گاڑی پر سوار ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ خاکسار کی اہلیہ عورتوں کو ملنے میں دیر لگا رہی ہے۔ اور میں بے چین بے چین ہو رہا ہوں۔

---

(۸۷) ۱۴/۱۵ مئی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ میں ربوہ گیا ہوں۔ اور منی آرڈر جو گرلز سکول کی تنخواہ کا بھیجا گیا تھا۔ اس کے اس کے متعلق کہہ رہا ہوں کہ دیکھو منی آرڈر نہ ملنے کی آپ لوگوں نے اطلاع نہیں دی۔ اور خاکسار کی اہلیہ اپنے

والدین سے کہہ رہی ہے کہ واقعی ہم سے غلطی ہوئی ہم نے اطلاع نہ دی - اپنے خسر حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو بھی دیکھا - اور اپنی خوشدامن صاحبہ کو بھی - اور یہ بھی دیکھا کہ عزیزہ منصورہ پہلے سے بڑی ہو گئی ہے - اور جیسے اُٹھنے کی کوشش کر رہی ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں عید کے موقع پر گھر گیا ہوں"۔ (محرم میں جانے کا موقعہ ملا - اور یہ باتیں پوری ہوئیں)

---

(۸۸) ۲۳/۲۴ مئی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا - جیسے عزیزہ بشریٰ کے چہرہ پر گرد اگرد داڑھی ہے"۔ (انشاء اللہ اللہ تعالیٰ بزرگی بخشے گا - واللہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر)

---

(۸۹) دن کو قیلولہ کے وقت دیکھا - جیسے کسی نے لفظ "اقبال" کہا اسی دن فقہ الرضا میں یہی مضمون پڑھا :-

"اذا اقبلت علیٰ صلوٰتک اقبل اللہ علیک لوجھہ"۔

---

۶) ۲/۳ جون ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ میں عید کے موقعہ پر ربوہ گیا ہوں۔ اسٹیشن سے اُتر کر گھر کی طرف جانے سے پہلے سامان ایک جگہ رکھ دیا ہے۔ میرے پاس اُس وقت صرف پانچ روپے ہیں۔ دل میں سوچتا ہوں کہ پیسے تو تھوڑے ہیں۔ پھر کہتا ہوں۔ چلو عید تو بچوّں میں کر لوں گا۔ پھر نظارہ تبدیل ہو گیا اور دیکھا عید کی نماز کے لیئے لوگ اکٹھے ہیں اور حضرت صاحب کا انتظار ہو رہا ہے۔ مجمع میں سے ایک دُبلا پتلا سیاہ فام شخص جس کی آنکھوں کی بینائی کم ہے اور آنکھیں تقریباً بند نظر آتی ہیں۔ حاضرین سے میری طرف اشارہ کر کے کوئی شکایت کر رہا ہے کہ فلاں شخص ہے اور فلاں جماعت میں اِس نے یہ کام قابلِ اعتراض کیا ہے۔ مَیں اُس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ مَیں وہ شخص نہیں ہوں وہ کوئی اَور ہو گا لیکن وہ اعتراض کرتا چلا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مَیں وہ نہیں لیکن وہ بار بار اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں تم ہی ہو۔ سارا مجمع خاموش رہ کر سُنتا رہتا ہے۔ آخر اُس کے بار بار کے اصرار سے تنگ آ کر میں اُسکو کہتا ہوں کہ تم کو نظر تو کچھ آتا نہیں یُونہی اپنی بات پر اصرار کیئے جاتے ہو اور اُسے بُرا بھلا کہتا ہوں لیکن وہ باز نہیں آتا۔ آخر مَیں کہتا ہوں۔

مجھے حضرت صاحب پہچانتے ہیں۔ جب نماز کے لئے تشریف لائیں تو کہہ دینا وہ خود مجھے پہچان کر کہہ دیں گے کہ میں وہ شخص نہیں ہوں! اس پر وہ بھی مان جاتا ہے اور لوگ بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت صاحب نماز کے لئے تشریف لاتے ہیں اور نماز پڑھا کر چلے جاتے ہیں لیکن یہ شخص کہہ نہیں سکتا مگر بعد میں پھر اعتراض کرنے لگ جاتا ہے اور اپنی بات پر اصرار کرنے لگتا ہے۔"

پھر دیکھا جیسے حضرت صاحب نماز پڑھ رہے ہیں اور التحیات پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں "تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" "تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ بھی پیچھے بیٹھے ہیں اور یہی دعا پڑھ رہے ہیں اور میں بھی پڑھ رہا ہوں پھر نظارہ تبدیل ہو جاتا ہے اور میں اسی بازار میں آجاتا ہوں جہاں سامان چھوڑ آیا تھا اور گھر جانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ پھر وہی اندھا اور سیاہ فام شخص آجاتا ہے اور اعتراض کرتا ہوا آگے چلا جاتا ہے۔ چند اشخاص اکٹھے اس کے پاس سے گزرتے ہیں اور اس پر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں اور اس کو پکڑ کر بھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک چھوڑتا ہے تو دوسرا پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح اسکو تنگ کرتے ہیں۔ پھر دیکھا جیسے وہی شخص زمین پر کھودنے کے رنگ میں پنجے مار رہا ہے۔ پھر

وہ کالے کُتے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگلے پنجوں سے زمین کھودتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر اُس کا پچھلا دھڑ اور دونوں ٹانگیں بھی زمین کے اندر غائب ہو جاتی ہیں۔"

(واللہ اعلم بالصّواب۔ اللّٰھمّ اعوذ بِکَ مِن کُلِّ شیطانٍ فاجرٍ من الجنّ وَالاِنس وعَینٍ حاسدٍ)

---

(۹۱) ۵/۶ جولائی ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات کو دیکھا۔ برادرم عبدالحق قرآن شریف کو توجّہ اور خشیت سے پڑھ رہے ہیں۔

---

(۹۲) ۷/۸ جولائی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا۔ تین بھینسیں ہیں۔ اور ان میں ایک میری بھی ہے۔ اس کے پیچھے بھینس کا بچّہ بھی ہے۔ ایک کُلکڑ ہے اس کو دکھا رہا ہوں۔"

---

(۹۳) ۹/۱۰ جون ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات ایک لمبا سا خواب دیکھا۔ اس میں سے اتنا حصّہ یاد رہا کہ ایک بڑا تیز اور تُند دریا بہہ رہا ہے۔ میرے قریب ایک شخص حضور بخش کھڑا ہے۔ اُس کو کسی نے دریا میں دھکّا دے کر پھینک دیا ہے۔ خطرہ ہے

کہ ڈوب نہ جائے۔ لیکن کسی نے کہا کہ وہ تیرنا جانتا ہے۔
کچھ دیر بعد وہ تیر کر نکل آیا سانس پھولا ہُوا تھا۔

پھر دیکھا۔ مَیں نے ایک جگہ پانی میں داخل ہو کر تیرنا
شروع کیا۔ یہ دریا نہیں، ویسے پانی ہے، پانی میں داخل
ہوتے وقت ایک گہرا کنواں کنارے کے ساتھ پڑتا ہے۔
یہ پانی کے اندر چُھپا ہُوا ہے۔ اُس کے اُوپر سے خاکسار
تیر کر گزر جاتا ہے۔ کچھ ڈر محسوس ہوتا ہے۔ پھر تیرتا ہوا
دوسرے کنارے پر پہنچ جاتا ہے۔ اُس وقت کچھ آدمی
مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک
شخص جو مخالف پارٹی کا ہے وہ بھی دیکھ رہا ہے۔

(ان دنوں موجودہ ملازمت ترک کر کے ربوہ
بچّوں کے پاس جانے اور ذریعہ روزگار کیلئے
اور دینی ہدایت اور ترقی کی دعائیں کیجاتی ہیں)

---

(۹۴) ۱۱ر جون ۱۹۵۷ء بوقت دوپہر اپنی چھوٹی بچّی منصورہ فاطمہ
کا ایک اور نام دیکھا۔ "امامہ"
(اللہ تعالیٰ اس کو نیکیوں میں آگے بڑھنے کی توفیق بخشے آمین)

۸) ۱۱/۱۲ جون ۱۹۵۷ء کی درمیانی رات کو دیکھا۔ میں کسی مباحثہ میں حصّہ لے رہا ہوں۔ اور احمدیّت کے حق میں بعض دلائل دے رہا ہوں کہ اسلامی احکام پر بغیر کسی مرکز اور خلیفہ کے عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ ضروری ہے۔ چچا صاحب اور کچھ اور رشتہ دار بھی موجود ہیں۔ شیعہ بھی یہ مانتے ہیں کہ ہر زمانے میں خدا کی حجّت موجود ہوتی ہے۔"

---

۹) ۱۰/۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو دیکھا کہ کچھ شیعہ اکٹھے ہیں اور قوم کی موجودہ بدحالی کا ذکر ہو رہا ہے میں اُن کو کہہ رہا ہوں کہ اس کا علاج یہ ہے کہ نوجوان اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں۔ اور اسلام کے احکام پر عمل کریں۔ جب کوئی نوجوان سامنے آئے تو دیکھتے ہی پتہ چل جائے کہ یہ پنجتن پاک کا ماننے والا ہے۔ نیز کہا کہ اسلام کے درخت کو مقدّس خون سے سینچا گیا ہے۔ جو درخت جس چیز سے پھلتا پھولتا ہے وہی چیز اس کو دی جاتی ہے۔ اب بھی اس کو خون کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کیسے؟ میں کہتا ہوں تم دیکھتے نہیں اسلام اِس وقت کیسی ابتر حالت میں

ہے۔ یہ کہتے ہوئے مجھ پر رقت کی حالت طاری ہو جاتی
اور آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔"

---

(۹۷) ۱۴؍جولائی ۱۹۵۷ء بوقت دوپہر دیکھا:-
"سَنَذْکُرُکُمْ۔ اَجَلٌ مُّسَمًّی"

---

(۹۸) ۱۶/۱۷ جولائی ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب جبکہ سَنَذْکُرُکُمْ پر غور کر رہا تھا کہ ہم عنقریب تمہیں یاد کریں گے یعنی اپنی طرف بُلائیں گے۔ اَجَلٌ مُّسَمًّی سے بھی ذہن اسی طرف گیا۔ یہ سوچ کر اضطرار سے دُعا کی۔ کہ جب بھی اللہ تعالےٰ اپنی طرف بُلائے ایسی حالت ہو کہ وہ مجھ سے راضی ہو۔
پھر دُعا کی کہ بچّے چھوٹے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور ہمدردی سے نگرانی کرنے والا کوئی نہیں۔ اِس لیئے اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہتر سمجھے تو میرے ذریعہ یہ کام مکمّل کرا کے خاندان میں علم اور تقویٰ کی رَو اپنے نیک بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلانے کی توفیق دے۔
بعد میں اِن معنوں کی طرف ذہن گیا کہ فَاذْکُرُوْنِی

اُذْکُرْکُمْ کے مطابق اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم عنقریب تمہیں یاد فرمائینگے یعنی تیری منشاء کے مطابق دعاؤں کو قبول فرما کر نتائج پیدا فرمائیں گے۔ اور ایسا ہونے کے لئے کچھ عرصہ کا وقفہ ہے۔

---

۹۰) پھر یہ نظارہ دیکھا۔ جیسے ہندوؤں کے ساتھ لڑائی ہے۔ اور فوجیں نقل و حرکت کر رہی ہیں۔ ہم سندھ میں قاضی احمد کے علاقہ میں ہیں جو زیادہ محفوظ ہے"

(۱۹۶۵ء میں ہندوؤں کے ساتھ جنگ ہوئی)

---

۱۰۰) اس کے بعد خواب میں اپنی اہلیہ امۃ الحفیظ کو دیکھا کہ اُس کا چہرہ چمک اُٹھا ہے"

(اس کا مطلب اللہ تعالےٰ کی حفاظت، کامیابی اور نرینہ اولاد ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

دُعاء

رَبِّ أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

ترجمہ :- اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے شکریہ ادا کر سکوں ۔ اور ایسا مناسب عمل کروں جسے تو پسند فرمائے ۔ اور (اے خدا!) اپنے رحم کے ساتھ تو مجھے اپنے بزرگ بندوں میں داخل کر ۔ آمین ؛